

204

ایم۔ ایس۔ ناز

3572



کتابخانه  
3572

3572

مکتبہ الکلام



\* اچھی کتاب

\* دعوتِ فکر

\* درسِ عمل

3572

# مرکز تجلیات

(حضرت داتا گنج بخش، جویری کی سوانح حیات)

مصنف: ایم۔ ایس۔ تاز

ناشر: مکتبہ الکلام • ۲۔ ریتانوالہ، گوجرانوالہ



86776

~~60000000~~

- \* اشاعت: (بار اول) ۱۹۶۹ء — ایک ہزار
- \* مصنف: ایم۔ ایس۔ ناتر
- \* ناشر: محمد ریاض منہاس
- \* کتابت: سید حامد علی۔ لاہور
- \* طابع: محمد طفیل۔ نقوش پریس۔ لاہور
- \* قیمت: دو روپے

جہلہ حقوق اشاعت بحق مصنف محفوظ ہیں



# ترتیب

۷	عقیدت کے پھول (پیش لفظ)	○
۱۵	مرکز تجلیات	○
۱۹	داتا گنی نگری	○
۲۲	برگزیده ہستی	○
۲۴	مولد و مسکن	○
۲۷	ابتدائی حالات	○
۳۶	اساتذہ کرام	○
۴۵	سیر و سیاحت	○
۴۴	ورد و لاہور	○
۴۸	تبلیغ حق	○
۵۳	استقال پر ملال	○
۵۷	مزار اقدس	○
۶۸	تصنیفات	○
۷۳	کشف المحجوب	○
۷۹	تعلیمات گنج بخش	○
۸۵	واقعات و حکایات	○
۹۰	اسلامی آداب	○



والدِ بزرگوار

جناب محمد شفیع

کے نام



پیش لفظ

# عقیدت کے مہول

۱۳ ستمبر ۱۹۶۵ء کا وہ دن کسے یاد نہیں، جب امریت پسند بھارت نے اپنے ناپاک ارادوں سے پاک سرزمین پر جارحانہ حملہ کیا۔ اور سب سے پہلے لاہور ہی کے گلگلی کوچوں میں اور شاہراہوں پر بھارت کے اس حملے کی صدائے بازگشت سنی گئی: پاک بھارت محاذ جہاں پر توپوں کی گھن گرج سنائی دے رہی تھی۔ اور پاک فوج کے شاہیں صفت جوان و شمنوں کے مذموم ارادوں کو خاک میں ملا رہے تھے، اس وقت لاہور کے گوشے گوشے سے یہ آواز گونج رہی تھی سے

نگری وانا کی، جگ جگ جی

اس میں کوئی شک نہیں کہ لاہور۔ وانا کی نگری ہے۔ اس



عروس البلاد کو یہ فخر حاصل ہے کہ یہاں کی خاک پاک میں وانا گنج بخش ایسی  
برگزیدہ ہستی عموماً استراحت ہے۔ آپ کا مزار مبارک صدیوں سے مرجع  
خلائق چلا آ رہا ہے۔ اور عقیدت مندوں کی بڑھتی ہوئی تعداد نے اسے  
ایشیاء کی عظمت و بزرگی کا منظر بنا دیا ہے۔

حضرت وانا گنج بخش اس وقت لاہور تشریف لائے، جب برصغیر  
پاک و ہند کی ساری فضا کفر و ضلالت اور فسق و فجور کی تاریکیوں میں گم تھی۔  
آپ کی آمد سے یہ خطہ ارض اسلام کی روشنی سے لقمہ نور بن گیا۔ تاریخ کے  
اوراق بتاتے ہیں کہ وانا صاحب نے پانچویں صدی ہجری میں اس سرزمین  
پر قدم رکھا، اور اپنی اخلاقی اور روحانی قوت سے اسلام کی حقانیت سے  
برصغیر کے ذرے ذرے کو روشناس کرایا خصوصاً شمال  
مغربی حصے میں اسلام کا فروغ، حضرت وانا گنج بخش کی تبلیغی مساعی کا ہی  
رہن منت ہے۔

اشاعت اسلام کی اس ہمہ گیری کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا  
ہے کہ یہ مبلغین اسلام اور صوفیائے کرام ہی تھے، جنہوں نے دین حق کی تبلیغ  
و اشاعت کے لئے تلوار نہیں، بلکہ قلم اور زبان سے کام لیا۔ حضرت وانا گنج  
بخش بھی وہ ولی اللہ تھے جنہوں نے اپنی زندگی کا عملی نمونہ پیش کر کے اپنے  
زہد و تقویٰ، اخلاق و عادات اور علمی بصیرت سے غیر مسلموں کے دلوں کو مسخر



کیا۔ اور ہزاروں لوگ آپ کے دستِ شفقت کو چوم کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے  
 حضرت داتا گنج بخشؒ ایسی مقدس ہستی ہر ایک کے لئے روشنی کے  
 مینار کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان کی زندگی باعثِ تقلید ہے۔ آپ کی دینی خدمات  
 کا ہر کوئی اعتراف کرتا ہے۔ آپ کی زندگی سے متعلق کسی تذکرے اور  
 کتاب میں زیورِ طبع ہو کر منظر عام پر آئی ہیں۔ اور ضرورت اس امر کی ہے کہ داتا  
 صاحب کی تعلیمات کو زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے۔ اس نظریہ کے پیش  
 نظر یہ مختصر سی کتاب میری قلبی عقیدت کا اظہار ہے حضرت داتا گنج بخشؒ کے  
 آستانہ سے عوام و خواص کو محبت رہی ہے۔ بڑے بڑے باجہروت سلاطین  
 یہاں اپنے سرعقیدت و احترام سے خم کرتے رہے ہیں۔ فقیروں، درویشوں،  
 اور اللہ والوں نے یہاں سے ایمان اور سکون کی دولت پائی ہے۔

زندگی میں ہر انسان کسی نہ کسی موڑ پر جذباتی حادثہ کا شکار ہوتا ہے  
 راحت و اطمینان سبوتاڑ ہو جاتے ہیں۔ اس موقع پر ذہنی اذیتیں اور  
 دلی پریشانیاں انسان کے غموں کے لئے جلتی پرتیل کا کام کرتی ہیں۔ کچھ  
 ایسی کیفیات سے میری زندگی بھی دوچار ہوئی۔ اسی نازک موڑ پر جب  
 کہ سب عزیز واقارب، دوست احباب اور اپنے پرانے ساتھ  
 چھوڑ جاتے ہیں۔ میں نے داتا کے آستانہ میں پناہ لی۔ یہاں ایک قسم  
 کی غیر مرمی طاقت نے مجھے سہارا دیا۔ اور میرے دل نے بے اختیار اس



بات کا اقرار کیا کہ

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ  
وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ .

اور پھر میری چشم باطن یہ دیکھتی رہی کہ اس ور پہ آنے والا کوئی خالی نہیں لوٹتا۔ عقیدت ایک عظیم جذبہ کا نام ہے۔ یہی جذبہ لوگوں کو مزار پر انوار کی طرف لے آتا ہے۔ نیت میں خلوص اللہ پر ایمان اور رسول کی اطاعت دل میں ہو تو حاکم صاحب بھی اپنے یہاں آنے والوں کی جھولی بھر دیتے ہیں۔ میں انتہائی انکساری سے یہ بھی عرض کروں گا کہ میری ادبی اور صحافتی زندگی کا آغاز اسی آستانے سے ہوا۔ اور میں نے جو سب سے پہلا مضمون لکھا، وہ داتا صاحب کے بارے میں ہی تھا۔

یہ تسلیم کہ حضرت داتا گنج بخش کی زندگی اور تعلیمات پر نامور ادیبوں اور شاعروں نے خامہ فرسائی کی ہے۔ شہنشاہ اور اولیاء اللہ بھی آپ کو خراج تحسین پیش کرتے رہے ہیں۔ عوام و خواص اب بھی اپنی محبت و عقیدت کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ میری ابتدا ہی سے یہ تمنا تھی کہ میں داتا کے حضور اپنی محبت اور عقیدت کے پھول نچھاور کروں۔ سو آج ایک عرصہ کے بعد میری یہ آرزو پوری ہو رہی ہے۔



گر قبول افتد ہے عز و شرف

دانا کے حضور۔ یہ عقیدت کے مچھول پیش کرتے ہوئے مجھے یہ حقیقت کس قدر تلخ معلوم ہو رہی ہے کہ حضرت دانا گنج بخشؒ کی زندگی اور افکار و نظریات ابھی تک مستند طور پر ہماری نظروں سے اوجھل ہیں اور جو باتیں ہمیں معلوم بھی ہیں، ان پر نئی نسل عمل پیرا نہیں۔ بزرگوں کی تعلیمات تو ہمیں اسلام کے قریب لاتی ہیں، پھر یہ بے اعتنائی کیوں؟ مزید برآں جب دانا صاحب کے متعلق لکھی جانے والی کتابوں اور تذکروں کا مطالعہ کیا جاتا ہے، تو بہت کم اوراق جمع ہوتے ہیں۔ حالانکہ دانا صاحب جس دور میں لاہور آئے، اس پر تاریخ کی بیسیوں کتابیں ہزاروں صفحات پر مشتمل ہیں۔ یہ تاریخ نگاروں اور تذکرہ نویسوں کی کوتاہی نہیں تو اور کیا ہے۔ کہ حضرت دانا گنج بخشؒ کی زندگی کی گم شدہ کڑیاں ملانے کی طرف اٹھوں نے خاص توجہ ہی نہیں دی۔ اور اگر تحقیق و تدقیق سے کام لیا بھی ہے، تو کئی الجھنیں پیدا کر کے رکھ دی ہیں۔ ان تمام واقعات کی نشان دہی اس کتاب سے ہو جائے گی۔

حضرت دانا گنج بخشؒ کے حالات زندگی کی تدوین

و ترتیب سے پیشتر مجھے از بس مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ کیونکہ سین و واقعات سے متعلق بعض محققین و مورخین میں اختلافات موجود ہیں۔ تاہم میں



نے ایسے حالات اخذ کر لئے ہیں، جو قرینِ صحت ہیں۔ غلطی ہر فرد بشر کا خاصا ہے۔ میں یہ بات دعویٰ سے نہیں کہہ رہا کہ جو کچھ میں نے قلم بند کیا ہے، اس میں کسی قسم کی سقم کا احتمال ہی نہیں ہو سکتا۔ یقیناً ہو گا، اور میں اپنے آن قارئین کا بے حد مشکور ہوں گا، جو ایسی غلطیوں پر مہمیری راہنمائی کریں گے۔

۱) چند باتیں کتاب کی ترتیب کے بارے میں بھی سن لیجئے۔ میں نے اس کا نام و فورِ جذبات سے معمور ہو کر مرکزِ تجلیات رکھا ہے۔ حضرت دانا صاحب کی تربت مبارک پر جو کتبہ کندہ ہے، اس پر بھی یہی الفاظ رقم ہیں۔ پھولوں سے لپیٹی ہوئی اس تختی اور مزار کی اندرونی روشنی سے ایک اہل ایمان پر جو کیفیت طاری ہوتی ہے۔ میں نے اسے اپنے ان عقیدت کے پھولوں میں شامل کیا ہے۔ کتاب سترہ مختصر مگر جامع ابواب پر مشتمل ہے۔ جن میں حضرت دانا گنج بخشؒ کی زندگی اور ان کی تعلیمات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ پڑھنے والوں کو چاہئے کہ وہ دانا صاحب کی زندگی کو مشعلِ راہ جانیں۔ ان کے درس مساوات و اخوت سے کما حقہ آگاہ ہوں اور ان کے روحانی ارشادات کو حوزہ جان بنائیں۔

میں نے کتاب کی تدوین کے لئے جن کتب سے استفادہ کیا ہے ان کے نام آخر میں ترتیب وار لکھ دیئے ہیں۔ مجھے حتی الوسع یقین



ہے کہ میں نے جس لگن، محبت اور عقیدت کے جذبات سے سرشار ہو کر یہ چند اوراق لکھے ہیں۔ فارین دانا صاحب کی تعلیمات کو اسی جذبہ سے عام کرنے میں ہر ممکن کوشاں ہوں گے۔

میں اپنی عقیدت کا اظہار کرنے میں کس حد تک کامیاب ہا ہوں اس کا فیصلہ کرنا پڑھنے والوں کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو، حضرت دانا گنج بخش ایسے بزرگان اسلام کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، جن کی ساری زندگی، رشد و ہدایت اور دوسروں کی زندگیاں سنوارنے میں گزری۔ اس الحاد و زندقیت کے دور میں جب کہ اسلامی معاشرے پر ماویت پرستی کے رجحانات غالب آتے جا رہے ہیں۔ حضرت دانا گنج بخشؒ جیسے روحانیت کے علمبرداروں کے حالات و ارشادات کو نظروں سے اوجھل رکھنا ہمیں کسی صورت بھی زیب نہیں دیتا۔ ایک سچے مسلمان کا یہ ذہنی فرض ہے کہ اسلام کی شمع تاقیامت فروزاں رہے۔

آخر میں، میں ان تمام اصحاب اور دانا گنج بخشؒ کے عقیدت مندوں کا ممنون ہوں، جنہوں نے اس کتاب کی تدوین کے دوران میری حوصلہ افزائی کی۔ بالخصوص جناب چوہدری عید محمد، میاں عبدالخالق مالواڈہ، جناب میاں بشیر احمد، جناب منظر بشیر



ایڈووکیٹ اور چوہدری محمد احسن علیگ کا بے حد ممنون ہوں، جنہوں نے دانا صاحب کی تعلیمات کو فروغ دینے کے لئے اس کتاب کی توسیع اشاعت میں میرا ساتھ دیا۔

اللہ تعالیٰ ان تمام لوگوں کو جزائے خیر دے۔  
آمین !

والسلام

فقیر پرتقصیر

ایم۔ ایس۔ نانن

شام نگر۔ لاہور

جمعۃ المبارک

یکم رمضان ۱۳۸۸ھ





## مرکز تجلیات

سنگِ مرمر کے مزار کے چاروں طرف دو درصیا رنگ کی اور مزار کے اندر سبز رنگ کی روشنی کا جگمگاتا ہوا منظر تھا۔ فضا میں گلاب کے عرق اور بوتیے کی خوشبو عقیدت مندوں کے قلوب ابراج کو معطر کر رہی تھی۔ مزار کی جالیوں کے ارد گرد زائرین کا ہجوم تھا۔ اللہ ہی حق اللہ اور حق دانا کی صدائیں گونج رہی تھیں۔ اور زائرین مزار کی جالیوں سے چمٹ چمٹ کر دلوں اور نگاہوں کی تسکین اور راحت کی دعاؤں میں مصروف تھے۔

یہ جمعرات کی سمرئی شام ہے۔ اور دانا کے آستانے کا رُوح پُرور منظر، مزار کے چاروں طرف موم بتیاں جل رہی ہیں۔ دیئے روشن ہیں۔ قمقمے منور ہیں۔ ہر سو روشنی کا نور ہی نور اور تقدس کا اُجالا ہی اُجالا ہے۔ اور پُرنم آنکھوں سے اپنے گناہوں



کی بخشش کی تمنا کرنے والے عقیدت مندوں کا پاکیزہ ماحول دیکھ کر اس روشنی کے سیلاب میں، لوں پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اور مزار سے لے کر بھائی دروازہ تک خلقت خدا کا تانتا بندھا ہوا دیکھ کر حضرت دانا گنج بخشؒ کا روحانی فیض اور جاہ و جلال آنکھوں کے سامنے پھرنے لگتا ہے، تو ایمان کی لازوال دولت کا ایک میٹھا سا نشہ آجاتا ہے۔ دل مسرور کن جذبات میں ڈوب کر بے اختیار کہہ اٹھتا ہے کہ

✽ داتا ہی نگری۔ ہزار ہزار خدا کی

رحمتیں ہوں اس روحانی مرکز پر۔ یہ

مزار پر انوار کئی صدیوں سے مرجع خلائق

ہے۔ یہاں ہزاروں عقیدت مند شبانہ روز

استبراک و اکتساب فیض کے لئے حاضر

دینے آتے ہیں اور امید کے سہارے سکون

و طہانیت کی گراں مایہ متاع سے مالا مال



ہو کر جاتے ہیں !!

داتا کے آستانے کا منظر جس کسی نے دیکھا ہے، وہ اس امر

سے انکار نہیں کر سکتا کہ اس چوکھٹ کے ذرے ذرے سے اللہ اور



اس کے رسول کے دین کی سر بلندی کی صدا میں بلند ہوتی ہیں۔ بڑے بڑے سرکش اس در پہ سرنگوں ہو جاتے ہیں۔ اور ان کی تنی ہوئی گردنوں میں بھی خم آجاتا ہے۔ شاہ ہو یا گدا، ہر شخص کو اس کی بساطِ نظر کے مطابق جلال یا جمال نظر آتا ہے۔ کوئی جلال کی ہیبت سے لرزہ بر اندام ہوتا ہے تو کوئی فرطِ محبت سے اشکبار، دین کے طالب اور دنیا کے چاہنے والے اس آستانہ عالیہ سے با مراد جاتے ہیں۔

یہ سب کچھ دانا کے آستانے کی مقدس روشنی کا معجزہ ہے، جو یہاں سے پھیلتی ہے۔ اس روشنی میں اسلام کی وہ شعاعیں ہوتی ہیں، جو حانا گن بخش کے جلال و جمال کو نگاہوں کے سامنے لے آتی ہیں۔ دانا صاحب کے جاہ و جلال کا ہی یہ کرشمہ ہے کہ خیبر سے لیکر چانگام اور جکار تہ سے لے کر مراکش تک۔ دور دور سے لوگ یہاں چل کر آتے ہیں۔ کیونکہ اللہ جل جلالہ نے اُممیں اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ کے پیغام سے نواز کر اپنا لیا ہے۔ دانا سے عقیدت رکھنے والے یہ بھی جانتے ہیں کہ ان پر ان کے یومِ ولادت سے لے کر بارگاہِ ربِّ العالمین تک

يَا أَيُّهَا النَّفْسُ اعْطِيْنِي ۝ اِرْجِعِيْ اِلَى  
رَبِّكَ رَاغِبَةً مَّرْضِيَّةً ۝ فَاَوْضِعِيْ فِيْ عِبَادِيْ



کی بخشش کی تمنا کرنے والے عقیدت مندوں کا پاکیزہ ماحول دیکھ کر اس روشنی کے سیلاب میں، دلوں پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اور مزار سے لے کر بھائی دروازہ تک خلقت خدا کا تانتا بندھا ہوا دیکھ کر حضرت دانا گنج بخشؒ کا روحانی فیض اور جاہ و جلال آنکھوں کے سامنے پھرنے لگتا ہے، تو ایمان کی لازوال دولت کا ایک میٹھا سا نشہ آجاتا ہے۔ دل مسرور کن جذبات میں ڈوب کر بے اختیار کہہ اٹھتا ہے کہ

✽ داتا گنی نگری۔ ہزار ہزار خدا گنی

رحمتیں ہوں اس روحانی مرکز پر۔ یہ

مزار پر انوار کئی صدیوں سے مرجع خلائق

ہے۔ یہاں ہزاروں عقیدت مند شبانہ روز

استبراک و کتاب فیض کے لئے حاضر

دینے آتے ہیں اور امید کے سہارے سکون

و طمانیت کی گراں مایہ متاع سے مالا مال

✽

ہو کر جاتے ہیں !!

داتا کے آستانے کا منظر جس کسی نے دیکھا ہے، وہ اس امر

سے انکار نہیں کر سکتا کہ اس چوکھٹ کے ذرے ذرے سے اللہ اور



اس کے رسول کے دین کی سر بلندی کی صدا آپیں بلند ہوتی ہیں۔ بڑے بڑے سرکش اس در پہ سرنگوں ہو جاتے ہیں۔ اور اُن کی تنی ہوئی گردنوں میں بھی خم آجاتا ہے۔ شاہ ہو یا گدا، ہر شخص کو اس کی بساطِ نظر کے مطابق جلال یا جمال نظر آتا ہے۔ کوئی جلال کی ہیبت سے لرزہ بر اندام ہوتا ہے تو کوئی فرطِ محبت سے اشکبار، دین کے طالب اور دنیا کے چاہنے والے اس آستانہ عالیہ سے با مراد جاتے ہیں۔

یہ سب کچھ وانا کے آستانے کی مقدس روشنی کا معجزہ ہے، جو یہاں سے پھیلتی ہے۔ اس روشنی میں اسلام کی وہ شعاعیں ہوتی ہیں، جو حانا گنج بخش کے جلال و جمال کو نگاہوں کے سامنے لے آتی ہیں۔ وانا صاحب کے جاہ و جلال کا ہی یہ کرشمہ ہے کہ خیبر سے لیکر چانگام اور جکارنہ سے لے کر مراکش تک۔ دور دور سے لوگ یہاں چل کر آتے ہیں۔ کیونکہ اللہ جل جلالہ نے اُممیں اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَاحْزَنُ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ کے پیغام سے نواز کر اپنا لیا ہے۔ وانا سے عقیدت رکھنے والے یہ بھی جانتے ہیں کہ ان پر ان کے یوم ولادت سے لے کر بارگاہِ رب العالمین تک

يَا أَيُّهَا النَّفْسُ اعْطَيْنِي ۝ اِرْجِعِي إِلَىٰ  
رَبِّكَ رَاضِيَةً مَّرْضِيَةً ۝ فَأَوْضِعِي فِي عِبَادِي



وَأَذْهَبُ جَنَّتِي ۝

کی بشارت تک انوارِ الہی کی بارشیں ہوتی ہیں اور اس کے بعد  
اُن کے مزار پر انوارِ پر ابد تک ہوتی رہیں گی۔ یہ قیامت تک مرکزِ تجلیات  
رہے گا۔

اور پھر سیلِ نکہت و نور کو چیر کر آنے والی ایک  
مرد درویش کی یہ صدا بھی کتنی ایمان افسروز ہوتی ہے جس سے  
دانا کی یہ ساری نگرہی — لاہور — گونج اٹھتی ہے۔ صدا کیلئے

محبت، عقیدت اور قلبی ارادت کا بھرپور اظہار ہے

گنج بخش فیضِ عالم منظرِ نورِ خدا

ناقصاں را پیرِ کامل کا ملاں را رہنما

﴿ ۱۸ ﴾



## داتا کی نگری

لاہور داتا کی نگری ہے۔ اسے قطبُ البلاد بھی کہتے ہیں اس کے چپے چپے پر بزرگانِ دین کے مزارات ہیں۔ جہاں ہر وقت خلقِ خدا کا ہجوم رہتا ہے۔ یہ انھیں بزرگانِ دین کے مزارات ہیں جو یہاں سے پرچمِ توحید لے کر اٹھے اور کفر و شرک کی انتہا گہریوں میں چراغِ نورِ ایمان انہی کے دستِ ہائے مبارک سے فروزاں ہوئے اور ان ہی کے قدومِ مہمّتِ لزوم سے دینِ برحق اور عظمتِ رسالت مآبِ کابول بالا ہوا۔ اور آج انہی کے مزارات پھولوں کی مہک اور روشنیوں سے جگمگا رہے ہیں۔

سرزمینِ لاہور کی عظمت کا روشن پہلو یہ ہے کہ یہ زمانہ قدیم سے مجاہدِ خدا کی نظرِ التفات کا مرکز رہی ہے۔ ان میں سے اکثر بزرگِ دورِ دراز کی مسافتیں طے کر کے اس عروسِ البلاد میں وارد ہوئے، اور



اولیاء بھی ایسے جن کی شان میں مولانا رومؒ کہہ گئے ہیں

اولیاء اہست قدرت انزالہ

تیر جستہ بازگرداند زراہ !

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا

اول نشیند در حضور اولیاء

گفتہ او گفتہ اللہ بود

گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

لاہور کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں یہ شہر

سب سے پہلے اسلام کی تبلیغ کا مرکز و محور بنا۔ یہاں سب سے پہلے خلفائے راشدینؓ کے مبارک دور میں حاکم العاصیؓ اور حلیم بن جلال تشریف لائے پھر خلفائے بنو امیہ کے عہد میں المہلب کی زیر قیادت لشکر اسلام فتح و نصرت کے ہلالی پرچم لہراتا ہوا آیا۔ بعد ازاں غزنویوں نے لشکر کشتی کی اور باطل و ضلالت کی تمام نشانیوں کو نیست و نابود کر کے رکھ دیا۔

یہ وہ دور تھا، جب لاہور کی سرزمین غازیان اسلام کے

ولولہ انگیز نعروں اور شمشیران حق کی جھنکاروں کو تو کئی مرتبہ

سن چکی تھی مگر اہل لاہور ابھی تک صحیح طریق سے دین اسلام

کی حقانیت کے وسیلے نعمات سے بے بہرہ تھے۔ ظلمتِ شب



کا طلسم ٹوٹنے والا تھا، اور صبح صادق کی نوید ملنے والی تھی کہ حضرت دانا گنج بخش کا ورود مسعود ہوا۔

خلفائے راشدین کے دور سے لیکر حضرت دانا گنج بخش رح کی آمد تک کے حالات پر ایک نظر ڈالی جائے تو یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کی آمد ایک بہت بڑے انقلاب کا پیش خیمہ تھی۔ اس دھرتی کا ہر ذرہ اور ہر شے ان سے متاثر ہوئی۔ اور زندگی کا ہر شعبہ بالکل ہی بدل گیا۔ یہاں کے بسنے والوں کی فطری صلاحیتیں جو صدیوں سے اوہام پرستی اور جماعتی تنگ نظری کی وجہ سے دبی چلی آتی تھیں، ان مسلمان بزرگوں کے آنے کے ساتھ ہی چمک اٹھیں نئے آنے والے مسلمان اپنے ساتھ اپنی ایک منفرد تہذیب، نئی زبان، محتمد معاشرہ اور قابل تقلید نظریہ حیات لائے۔ انہی خصائص کی بدولت پاک و ہند کی ثقافت کو ایک نیارنگ اور نیاروپ ملا۔

برصغیر کی اس تہذیب و ثقافت کو ایک نئے سانچے میں ڈھالنے اور یہاں اسلام کی خدیا میں پھیلانے میں مسلمان سپاہیوں اور حکمرانوں کے دوش بزدوش علماء کرام، صوفیائے عظام اور بزرگان دین کا بھی برابر کا حصہ ہے اور اگر یہ کہہ دیا جائے کہ اس برصغیر میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا کام سلاطین کی شوکت و جہروت نے نہیں بلکہ دانا صاحب ایسے بوریہ نشینوں کے فقر و فاقہ نے کیا، تو مبالغہ نہ ہوگا۔



## برگزیدہ، مستی

اسلام کی ان برگزیدہ ہستیوں میں حضرت مخدوم سید ابوالحسن علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش کو ایک ممتاز و مخصوص مقام حاصل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ سب سے پہلے بزرگ ہیں، صحفوں نے لاہور کی خاک کو عزت بخشی، مگر تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ لاہور میں بزرگان دین کی آمد آمد کا سلسلہ خلفائے راشدین کے دور سے شروع ہے، جیسا کہ ابتدا میں ذکر کیا گیا ہے افسوس کا مقام ہے کہ اسلام کے ان بہادر سپاہیوں کے حالات زندگی اور ان کے کارنامے ابھی تک تاریکیوں کے دبیز پردوں میں ہی روپوش ہیں۔ علاوہ ازیں داتا گنج بخشؒ ایسی برگزیدہ ہستی کی حیات طیبہ کے بارے میں بہت کم معلومات ہم پہنچانی گئی ہیں۔ اسے مورخین اور محققین کی کوتاہی کہہ لیجئے یا گردش زمانہ کے لیل و نہار، حالانکہ جس دور میں داتا صاحب لاہور میں وارد ہوئے، اس وقت تک کے سلاطین کی رزم آرائیوں اور بزم طرازیوں

86776



کی داستانیں ضخیم کتابوں کی صورت میں موجود ہیں۔  
 اس ساری صورت حال کے پیش نظر دانا گنج بخشؒ ہی ایک ایسے بزرگ  
 ہیں، جنہیں برصغیر میں اولین مقدس ہستی مانا جاتا ہے، اور جن کے دست  
 مبارک سے پاک و ہند میں چراغ نور ایمان منور ہوتے۔  
 \* علاوہ ازیں یہ حقیقت بھی تسلیم کی جاتی ہے کہ دانا  
 گنج بخشؒ اور ان سے پہلے جتنے بزرگ لاہور شریف  
 لائے وہ علم کے ساتھ ساتھ عمل کی دولت سے بھی  
 مالا مال تھے۔ وہ حسن و اخلاق کے پیکر اور سنی نوع  
 انسان کے سچے خیر خواہ اور مخلص ہمدرد تھے۔  
 ان کی صحبت میں پہنچ کر قلب کو روحانی تسکین مل جاتی تھی اور جو شخص  
 ایک بار ان کی قربت حاصل کر لیتا وہ انہی کا ہو کر رہ جاتا۔ حتیٰ کہ غیر مسلم  
 بھی ان کے ہاں ایمان و ایقان کی دولت، مقصد کی لگن اور اخلاقِ فاضلہ  
 کے گوہر آبدار دیکھ کر اسلام کی صبراقت پر ایمان بے آتے تھے۔  
 حضرت دانا گنج بخشؒ کی آمد سے قبل لاہور میں آنے والے صرف  
 ایک بزرگ کے حالات کے بارے میں کچھ پتا چلتا ہے۔ یہ بزرگ حضرت  
 شاہ اسمعیل محدث نامی بزرگ ہیں۔ حدیقتہ الاولیاء میں ان کا نام شیخ محمد اسمعیل  
 محدث و مفسر لاہوری درج ہے۔ آپ سید بناری غری تھے۔ تاریخ لاہور



کے مصنف رائے بہادر کہنیا لال کے بیان کے مطابق ۱۲ مہینوں اور صاحب خزینۃ الاصفیاء کے بیان کی رو سے آپ ۳۹۵ھ میں بعہد سلطان محمود غزنوی لاہور تشریف لائے۔ تحفۃ الواصلین میں رقم ہے کہ۔

” اول کسے از واعظان اسلام در لاہور تشریف آورد و

خلق را بہ نور اسلام روشن کروا بود ..... و از کتب

معتبرہ و اقوال صحیحہ شدہ کہ شخصے کہ اول در لاہور کلام مجید

خواندہ شیخ اسمعیل بود!

ان تاریخی حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ پہلے بزرگ ہیں، جن کی حیثیت تسلیم کی جاسکتی ہے کہ وہ دانا گنج بخش سے قبل لاہور میں موجود تھے۔

حدائق الحنفیہ میں ہے کہ شاہ اسمعیل لاہوری بخارا کے سادات عظام میں سے

تھے جو سلطان مسعود غزنوی کے اواخر ۳۹۵ھ میں شہر لاہور میں آکر سکونت

پذیر ہوئے۔ اپنے وقت کے علوم فقہ و حدیث و تفسیر میں امام اور جامع علوم

ظاہری و باطنی تھے۔ واعظان اسلام میں آپ ہی سب سے پہلے لاہور میں

تشریف لائے۔ اور آپ کے وعظ و نصائح کی تاثیر سے ہزاروں کفار

مشرف بہ اسلام ہوئے۔ یہاں تک کہ جو شخص آپ کی مجلس و وعظ میں حاضر

ہوتا۔ کلمہ توحید پڑھے بغیر واپس نہ جاتا۔

حضرت شاہ محمد اسمعیل محدث لاہوری نے ۴۴۸ھ میں وفات



پائی۔ ہال روڈ کی طرف مڑتے ہی ایک گوشے میں بلند چبوترے پر آپ کا مزار ہے۔ ماثر لاہور میں منشی محمد دین فوق لکھتے ہیں کہ اسلامی سلطنت کے وقت مقررہ جگہ کیساتھ ایک بہت بڑا باغ تھا، لیکن آج اس کا نام و نشان نظر نہیں آتا۔

حضرت شیخ اسماعیل محدث لاہوری کے علاوہ دانا صاحب کے پہلے لاہور میں ایک اور بزرگ تبلیغِ حق میں مصروف تھے۔ یہ حضرت حسام الدین لاہوری تھے، جن کا تذکرہ مبارک خود دانا صاحب نے اپنی تصنیف میں کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دانا صاحب کے آنے سے قبل لاہور یقیناً کلمہ حق کے شیرانیوں کی آوازیں سن چکا تھا۔ لیکن پھر بھی یہاں کسی درویش صفت اور صوفی منش بزرگ کی اشرفیاء تھی۔ جس کی ایک ہی صد پر ہزاروں کفار بیک کہتے،

اور —

یہ صوفی منش درویش اہل اللہ

حضرت دانا گنج بخش تھے!!





## مولد و مسکن

**حضرت** داتا گنج بخشؒ کے حالات زندگی سے پتا چلتا ہے کہ آپؒ غزنویہ عہد حکومت میں لاہور تشریف لائے۔ اس دور میں جو علماء و فضلاء سکونت پذیر تھے۔ ان میں حضرت یعقوب زنجانیؒ حضرت فخر الدین زنجانیؒ، حضرت مسعود سلیمانؒ، اور ابوالفرج رونیؒ کے اسماء گرامی سرفہرست ہیں۔ سلطان قطب الدین ایبک کے دور میں لاہور میں ایک بہت بڑے عالم و مبلغ فخری مدبر مبارکؒ مقیم تھے۔ انھوں نے اپنی تادار تصنیف ”شجرۃ الانصار“ میں ان ہی متذکرہ بالا بزرگوں کی حیثیت و عظمت کے پیش نظر لاہور کو اہل علم کا مرکز اور مذہبی و ثقافتی تقریبات کا گہوارہ قرار دیا۔ فخری مدبرؒ کے اس بیان سے یہ حقیقت مترشح ہوتی ہے کہ سلطان محمود غزنوی کے عہد میں یہ شہر علمی، مذہبی اور ثقافتی اعتبار سے آفاقی شہرت کا مالک تھا۔ اور داتا صاحبؒ نے اس دور میں لاہور میں قدم رنجہ فرمایا۔



حضرت داتا گنج بخشؒ بذات خود غزنی کے رہنے والے تھے۔ غزنی کے مضافات و ملحقات میں ہجویر اور جلاب نامی دو بستیاں خاص طور پر مشہور ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اوائل عمر میں داتا گنج بخشؒ کا قیام ان دو مقامات پر رہا۔ جن کی مناسبت سے آپ کے اسم گرامی کے ساتھ ہجویری اور جلابی مذکور ہے۔ ایک تذکرہ نگار لکھتا ہے کہ جلاب آپ کا نھیال ہے اور ہجویر میں آپ نے جنم لیا۔

حضرت داتا گنج بخشؒ کا اسم مبارک علی اور کنیت ابوالحسن تھی۔ والد ماجد کا نام عثمان اور دادا علی بن عبدالرحمن تھے۔ اور حسنی سید تھے۔ شجرہ نسب نو واسطوں سے حضرت امام حسنؑ سے ہوتا ہوا مولا مرتضیٰ شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یوں ملتا ہے۔ علی ہجویری بن عثمان جلابی بن سید علی بن عبدالرحمن بن شاہ شجاع بن ابوالحسن بن حسین اصغر بن سید زید بن حضرت حسن بن حضرت علیؑ ابن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم حضرت داتا گنج بخشؒ کی تاریخ ولادت کا ذکر کسی تذکرہ میں موجود نہیں۔ البتہ اس بات پر سب مورخین اکتفا کرتے ہیں کہ آپ نے ستر برس کی عمر میں ۴۶۵ھ میں وصال فرمایا۔ اس لحاظ سے آپ کی ولادت ۳۹۵ھ میں ہوئی۔ بعض تذکروں میں آپ کی تاریخ پیدائش ۴۰۰ھ یا ۴۰۱ھ بھی تحریر ہے۔ تاریخ سے پتا چلتا ہے کہ یہ دو تاریخیں



عز نہ کا عہد زریں تھا۔ سلطان محمود و عز نومی بن سلطان امیر سبکتگین سر پر  
 آرائے سلطنت تھا۔ ہزاروں علماء و فضلاء اور ارباب دانش سلطان  
 محمود و عز نومی کی زریں پاشی اور مصارف پروری سے بہرہ اندوز ہوتے  
 تھے۔ شعر و سخن کی علمی محفلیں رونق افروز ہوتی تھیں۔ یہ شہر علم و فن کے  
 اعتبار سے اس قدر آباد ہو چکا تھا کہ یہاں چھوٹی چھوٹی بستیوں میں اساتذہ  
 ہر وقت درس و تدریس میں مصروف رہتے تھے۔

حَٰ اَنَا صَاحِبُ رَحْمَةِ خَٰنِدَانِ كَيْ بَايُ فِي كِهَا جَانَا هِي كِه حَبِ  
 آل سادات کے حالات بگڑے اور ان کی مملکت میں افراتفری پیدا ہوئی  
 تو یہ خاندان بھی امن و امان کی تلاش میں نکلا اور بالآخر عزنی میں آکر  
 آباد ہو گیا۔ اور بہت جلد اپنی پاکیزگی، علمی شہرت، تقویٰ اور طہارت  
 کی وجہ سے عوام کے دلوں میں گھر کر گیا، اس لئے ہر ایک کی گردن نیاز  
 آپ کے خاندان کے در پر جھکنے لگی۔ چنانچہ دارا شکوہ اپنی تصنیف  
 سفینۃ الاولیاء میں کہتا ہے کہ —————

☆ ”آپ کا خاندان زہد و تقویٰ میں مشہور تھا۔“

حضرت داتا گنج بخشؒ کی والدہ ماجدہ بھی بڑی نیک، پرہیزگار  
 اور صاحب علم خاتون تھیں۔ ان کا خاندان بھی علمی فضیلت اور باطنی



فیوض کے باعث غزنی میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ حضرت  
 داتا گنج بخش کے ماموں تاج اولیاء کے لقب سے مشہور تھے، ان کا مزار  
 اب بھی غزنی میں ایک روحانی مرکز کی حیثیت رکھتا ہے۔

تاریخ کے واقعات اس حقیقت کی بھی نشاندہی کرتے ہیں کہ سلطان  
 محمود غزنوی کے عہد حکومت میں غزنی نے علم و ادب اور مذہب و ثقافت  
 کے لحاظ سے بھی ترقی کے کئی مدارج طے کئے۔ سلطان محمود غزنوی بوریہ  
 نشینوں کا بے حد احترام کرتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ ایک مرتبہ شیخ ابوالحسن  
 نرقانی کے آستانے پر حاضر ہوا اور نذرانہ عقیدت پیش کیا۔ شیخ نے  
 سلطان کے حق میں دعا کرتے ہوئے کہا، الہی عاقبت محمود باوا۔  
 اس سے معلوم ہوتا کہ

✽ غزنی اس وقت بہت بڑا شہر تھا۔ وہ  
 ایک عظیم الشان سلطنت کا دل تھا۔ اسی  
 سلطنت میں داتا گنج بخشؒ ایسے ولی اللہ  
 نے پرورش پائی۔ پلے بڑھے اور جوانے  
 ہوئے!







## ابتدائی حالات

حضرت داتا گنج بخشؒ کی ابتدائی زندگی کے بارے میں کوئی مستند کتاب معتبر سوانح عمری یا ملفوظات کا مجموعہ موجود نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے سوانح نگار کو ان کے حالات زندگی مرتب کرتے وقت بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ نور الدین جامی کے نفحات الانس کے سوا اولیاء و صوفیاء کا کوئی ایسا قدیم تذکرہ بھی نہیں ملتا، جس میں حضرت داتا گنج بخشؒ پر روشنی ڈالی گئی ہو۔ صرف داراشکوہ نے اپنی تصنیف سفینۃ الاولیاء میں آپ کا تذکرہ خیر کیا ہے۔ پروفیسر شیخ عبدالرشید علیگ کے نزدیک داتا گنج بخشؒ کے سوانح حیات کی اس نایابی کا سبب غالباً یہ ہے کہ اُس زمانے میں لاہور بہت سے سیاسی اور فوجی ہنگاموں سے مسلسل دوچار رہا۔ جن کی تمام تحریری یادداشتیں تلف ہو گئی ہوں گی۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں چشتیہ، سہروردیہ، نقشبندیہ



اور قادیہ سلسلوں کو بہت زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی، اور وہ جنیدی سلسلہ جس سے حضرت علی ہجویری وابستہ تھے بظاہر منظم و مستحکم نہ ہو سکا۔

اس سارے بیان سے قطع نظر کشف المحجوب ہی داتا صاحب کے تصوف پر وہ شہرہ آفاق تصنیف ہے جس سے داتا صاحب کے حالات و خیالات جاننے میں قدرے مدد ملتی ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو بچپن ہی سے علمی ذوق کے ساتھ ساتھ عبادت کا بھی بڑا شوق تھا۔ آپ بڑی ریاضت کرتے۔ سنت کے اتباع میں غلو سے کام لیتے، دنیا داروں سے دور دور رہتے۔ شب بیداری، ذکر و فکر، وظائف اور اللہ کی عبادت میں ہر وقت محو رہتے۔ بچپن کے حالات آپ نے خاندان کے رسم و رواج کی قید و بند میں رہ کر بسر کئے اور جب آپ سوا چار برس کے لگ بھگ ہوئے تو آپ کی تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا اُس زمانے میں جو رسمی تعلیم راج مہتی وہ آپ نے اپنے خاندان کے بزرگوں اور غزنی کے مختلف مدارس سے حاصل کی۔ شیخ ابوالقاسم گورگانی قشیری پہلے اُستاد تھے، جن سے دینی تعلیم حاصل کی۔ یہ زمانہ موجودہ دورِ ماوریت کی بہ نسبت حضور سرکارِ دو عالم کے زمانہ پاک سے زیادہ قریب تھا۔ ابتداء میں آپ نے عربی، فارسی اور پھر علم حدیث، فقہ، تفسیر، منطق اور فلسفہ کی تعلیم حاصل کی۔



علاوہ ازیں آپ کے زمانہ میں جو بزرگ گذرے یا موجود تھے اور جن سے ملاقات ہوئی، ان میں سے اکثر کے حالات بھی آپ نے اپنی کتاب "کشف المحجوب" میں قلم بند فرمائے ہیں۔ چند کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

اہل شام و عراق میں سے شیخ ذکی العلاء اور ابوالقاسم سدیمی، اہل فارس میں سے شیخ ابوالحسن بن سالیہ، شیخ ابوالحسن بن شرمار، ابوالحسن علی بن مکرون، شیخ ابومسلم برومی، شیخ ابوالفتح، شیخ ابوطالب، اور شیخ السیوخ ابواسحق۔ اہل کرمان میں سے خواجہ ابو جعفر محمد بن علی، خواجہ محمود بنشاپوری۔ خواجہ احمد فادی سرخی، اور شیخ احمد سمرقندی۔ اہل آذربائیجان و طبرستان میں سے شیخ شفیع فرخ، شیخ ابو عبد اللہ، شیخ ابوطاہر کشفی، خواجہ حسین سمرقندی، شیخ سہکلی، احمد پسر شیخ فرقان، اور ادیب کنوی، اہل ماورالنہر میں سے خواجہ امام ابو جعفر بن محمد الحسین، خواجہ فقیہ ابو محمد یا لغزوی، احمد ایلانی، اور خواجہ عارف علی بن اسحاق، اور اہل غزنہ میں سے شیخ ابوالفضل بن الاسعدی، شیخ عدالت اسماعیل، شیخ ابو عبد اللہ محمد بن الحکم المعروف، اور شیخ سعید بن ابی سعید؛

حضرت داتا گنج بخش کے پیر طریقت کا نام شیخ ابوالفضل بن الحسن النحلی جنیدی تھا جو شیخ ابوالحسن حضرمی کے مرید تھے۔



سلسلہ طریقت سید الطائفة حضرت جنید بغدادی سے منسوب ہے،  
 مذہب و مشرب کے اعتبار سے حنفی المذہب تھے، جیسا کہ پہلے بھی ایک  
 حوالے سے اس کا ذکر کیا گیا ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہ رح سے داتا گنج بخش رح  
 کو ولی طور پر عقیدت تھی۔ آپ کی پہلی شادی  
 کا تذکرہ کسی جگہ نہیں ملتا۔ البتہ آپ کے  
 اپنے بیان کے مطابق آپ کی دوسری شادی  
 والدین کے اصرار پر پہلی بیوی کے انتقال  
 کے گیارہ سال بعد ہوئی تھی؛





# اساتذہ کرام

عالم شباب زندگی کا ایک اہم دور ہوتا ہے۔ جوانی دیوانی کے قریباً ابتدائی تیس پینتیس سال ہی شمار ہوتے ہیں۔ مگر خوبی قسمت کہ اس عمر میں ہی دانا گنج بخش ۷ منصب ارشاد پر فائز ہو جاتے ہیں۔

۵ در جوانی توبہ کروں شیوہ پیغمبری ست!

وقت پیری گرگ ظالم می شود پر سپہزگار

اس عرصہ میں دانا صاحب نے تعلیم کے مدارج بھی طے کئے، اور

منازل سلوک بھی مکمل کیں۔ دین کو سمجھنے کی خاطر سفر کی صعوبتیں جھیلیں۔

کئی کئی روز پیدل سفر کیا۔ آپ ایسے عالم و عارف کی علمی استعداد اگرچہ

بہت کم معلوم ہے۔ تاہم آپ کی نادر تصنیف کشف المحجوب ہی بتاتی ہے

کہ آپ علوم ظاہری و باطنی میں یدِ طولی رکھتے تھے۔ اپنی اس کتاب میں

آپ نے بہت سے اساتذہ کا ذکر کیا ہے جن سے وقتاً فوقتاً تحصیل



علم کی۔ علاوہ ازیں بے شمار آئمہ و مشائخ کی تصانیف و تعلیمات سے مستفید ہوئے  
 آپ کے انداز تحریر سے جہاں یہ بات اظہر من الشمس ہوتی ہے کہ آپ ایک مستند  
 عالم شریعت، واقف رموز طریقت اور آشنائے عالم حقیقت تھے۔ وہاں آپ  
 کے ان اساتذہ کی عظمت، وسعت مطالعہ اور تبحر علمی کا بھی پتا چلتا ہے جن سے  
 آپ نے بیشتر علوم حاصل کئے۔

شاگرد میں استاد کی خوبیوں کا رنگ ہوتا ہے۔ چنانچہ داتا گنج بخشؒ کی  
 زندگی کا بغور مطالعہ کیا جائے تو وہ تمام خصائص جن کا تذکرہ آپ نے اپنے  
 ساتھ کرام کے ضمن میں کیا ہے۔ آپ کی زندگی اور کردار میں صاف نظر آتا  
 ہے۔ اپنے اساتذہ میں سے آپ سب سے زیادہ شیخ ابوالعباس بن محمد اشقانی  
 سے متاثر تھے۔ بڑے ادب اور تکریم سے ان کا ذکر فرماتے ہیں کہ وہ بڑے  
 صاحب دل تھے اور اپنے زمانے کے فاضل جلیل بھی۔ ان کے وقت کا بیشتر  
 حصہ درس و تدریس میں صرف ہوتا تھا، اور جو تھوڑا بہت وقت پس انداز کرتے  
 نہہر و ریاضت میں گزارتے۔ مجھے ان سے دلی محبت اور ربط تھا اور وہ  
 بھی مجھ سے بے لوث محبت اور پورا نہ شفقت فرماتے تھے۔ انھوں نے  
 بعض علوم مجھے پڑھائے۔ میں نے زندگی بھر کوئی ایسا شخص نہ پایا، جو احکام  
 شریعت کا احترام ان سے زیادہ کرتا ہو۔ امام ابوالعباس بن محمد اشقانی  
 کو اپنا معلم تسلیم کرتے ہوئے داتا صاحب و اشکاف الفاظ میں فرماتے ہیں



کہ "اندر بعض علوم استاد من بود"۔!

حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ شیخ ابوالقاسم بن علی گورگانی کو بھی اپنا معلم کہ

ہیں اور انھیں یکتائے زمانہ بزرگ بھی قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

سے عجز و نیاز کی تعلیم پائی۔ آگے چل کر ایک واقعہ تحریر کرتے ہیں کہ ایک روز

کی خدمت اقدس میں بیٹھا اپنے احوال اور ظاہریت میں گم ہو کر اس مختصر میں

ہوا تھا کہ اپنا حال دل آپ پر کیسے ظاہر کروں۔ آپ میری بات تو جہ اور شفقت

سے سنتے تھے۔ پھر بھی جوانی کی آگ نے مجھے شیخ سے کلام کرنے میں بیجا

اور حریص کر رکھا تھا۔ بلکہ میری جرات نے ایسی صورت پیدا کر دی کہ ش

شیخ کو اس کوچے میں اتنا گزر نہیں۔ اس لئے وہ اتنے انکسار سے کام لے

ہیں۔ شیخ باطنی بصیرت سے میرا غرور بھانپ گئے اور فرمانے لگے "اے بیٹا

سمجھ لے اور اچھی طرح جان لے کہ میرا یہ عجز و انکسار تیرے اور تیرے احوال

کے لئے نہیں، بلکہ اپنا احوال بدلنے کے لئے ہے۔" داتا صاحب کہتے

کہ اپنے شیخ کی زبانی یہ واقعہ سن کر میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

شیخ ابو جعفر محمد الصیدلاری بھی داتا گنج بخش کے استاد تھے۔

سے آپ نے حسین بن منصور حلاج کی تصانیف پڑھیں۔ علاوہ انہیں

عبدالقاسم ابوالکریم بن ہوازن القشیری، ابوالقاسم بن علی بن عبد

ابوالعباس احمد بن قصاب، ابو عبد اللہ محمد بن علی داغستانی، ابوس



فضل اللہ بن محمد اور ابو احمد المظفر ہمدانی ایسے ذی علم بزرگ بھی آپ کے اساتذہ کرام تھے، جن سے مٹھوڑی مٹھوڑی مدت تک آپ تعلیم حاصل کرتے رہے۔ بعض تذکروں میں مشہور بزرگ اور شاعر حضرت ابو سعید ابوالعجر کا نام بھی آپ کے اساتذہ کی فہرست میں درج ہے۔ بلاشبہ ان اساتذہ کی کیمیاء نظروں نے آپ کے علمی جواہر کو چمکایا۔ اور بہت جلد و آنا صاحب میں ہی دین اور اسلامی خوبیاں نظر آنے لگیں، جو ان کے اساتذہ کرام کا خاصا تھیں۔

حضرت داتا گنج بخش کے مرشد کا نام ابو الفضل محمد بن الحسن الخطیب تھا۔ آپ روایت و تفسیر کے ماہر تھے۔ داتا صاحب اپنے مرشد کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ بزرگ طریقت میں ایک ایسے صوفی کے مرید تھے، جن کے برابر مجھے کسی اور نے مرعوب و متاثر نہیں کیا۔ آپ نے بیت ابن شام ہیں رحلت فرمائی۔ اور میں مرتے دم تک ان کے سر ہانے رہا۔ حضرت موصوف نے مجھے موت کے وقت نصیحت کی کہ —

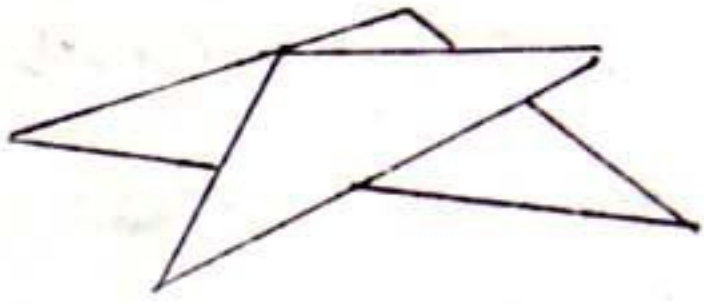
\* ” اے فرزند خدا کی طرف سے جو آفت یا رحمت جس مقام اور جس حال میں پیش آئے اس کے آگے ہر تسلیم خم کرنا اور دل میں آرزو نہ ہونا۔“

ان اساتذہ کرام کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور کے



مشائخ علم کے خزانے تھے۔ اور یہی خزیں نے حضرت دانا گنج بخش نے اپنے  
فرمانبرواری اور تیار مندی کی بدولت اپنے اساتذہ کرام سے حاصل  
کئے۔ دانا صاحب ہر استاد کی قدر کرتے تھے۔

\* کتنے تھے خوش نصیب وہ استاد، جنہیں دانا صاحب  
ایسے شاگرد نصیب ہوئے۔ اور کتنے تھے خوش  
نصیب دانا گنج بخش جنہیں یکتائے روزگار بزرگوں  
کی صحبت میسر آئی اور آپ نے ان سے اکتساب  
علم و فیض کیا۔





## سیر و سیاحت

قدیم میں صوفی شیوخ کا دستور تھا کہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد وہ سیاحت کی غرض سے وطن سے دور دورہ ممالک میں نکل جاتے تھے۔ حضرت مخدوم علی ہجویریؒ کی زندگی کا بیشتر حصہ بھی سیر و سفر میں گزارا۔ وائعات کے پیش نظر آپ نے سفر کو دو مقاصد کے ضمن میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ پہلے سفر کا مقصد تعلیمی تھا اور دوسرا مقصد تبلیغی۔ عہد شباب میں تحصیل علوم کے بعد آپ کے طریقت کی جانب قدم بڑھایا اور سفر و سیاحت کی راہ اختیار کی۔ اس سفر سے جہاں آپ کے گروہ میں بچنگی آئی وہاں تزکیہ نفس کے سامان بھی بہم پہنچے۔ سیر و سیاحت سے ویسے بھی آپ کو قطری رغبت تھی۔ یہی وجہ سے کہ عہد شباب کا زیادہ تر وقت داتا صاحب نے سفر و سیاحت کے تجربات اور عجائبات قدرت کے مشاہدات میں گزارا۔



حضرت دانا گنج بخشؒ نے جن ممالک کی سیاحت کی، ان میں شام، عراق، ایران، آذربائیجان، طبرستان، قہستان، خوزستان، فرغانہ، کرمان، ماورالنہر، بسطام، بغداد، دمشق، املہ، طوس، بلخ، جیل السلام اور ہند شمالی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ ان گوشوں کی سیاحت کے دوران میں آپ نے ابو سعید ابوالخیر، ابو العباس احمد الاشقانی، ابوالقاسم سعدی، شیخ ذکی العلاء، حسین بن منصور جلاح اور شیخ ابو جعفر ابن المصباح السعیدانیؒ ایسے مشہور و معروف شیوخ و علمائے وقت سے ملاقات کی۔ ان کے علاوہ بھی دیگر سینکڑوں مشائخ سے استفادہ فرمایا، اور درویشوں کی طرح تمام بلاد اسلامیہ کی سیاحت بھی کی۔ اس اعتبار سے شام سے ترکستان تک اور ہندوستان سے بحرین تک تمام مشہور مقامات کی آپ نے سیر کی۔

حضرت دانا صاحب خود سفر و سیاحت کے واقعات بتاتے ہیں کہ صرف خراسان میں آپ تین سو علماء و بزرگان دین سے ملے۔ ان میں سے شیخ احمد بخاری، خواجہ رشید منظر، خواجہ ابو جعفر محمد بن علی الجودی، شیخ ابو العباس دامغانی، خواجہ شیخ احمد جمادی، شیخ ابو عبد اللہ حبیبی، شیخ ابوطاہر نکستوف، شیخ محمد معشوق، شیخ ابوالحسن ابن سبالیہ، شیخ احمد بن شیخ خرقانی، شیخ احمد سمرقندی، اور شیخ محمد زنی بن العلاء کا



ذکر خیر آپ نے تفصیل سے کرنے کے ساتھ ساتھ ان بزرگوں کی روحانی،  
 و علمی فضیلت کا اعتراف بھی کیا ہے۔

حضرت مخدوم علی ہجویریؒ نے سفر و سیاحت کے تمام اہم واقعات اپنی  
 کتاب کشف المحجوب میں قلمبند فرمائے۔ شام کے سفر کا ایک واقعہ تحریر فرماتے  
 ہیں کہ حضرت بلالؓ کے مزار کے سر ہانے سو رہا تھا کہ خواب میں دیکھا کہ مکہ معظمہ  
 میں ہوں۔ اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم باب شہید میں داخل ہو رہے ہیں۔  
 ایک بوڑھے شخص کو سرکارِ دو عالمؐ نے گود میں اٹھا رکھا ہے۔ میں نے آگے  
 بڑھ کر نبی آخر الزمانؐ کی قدم بوسی کی۔ استفسار کی جسارت پر آنحضرتؐ کہنے  
 لگے۔ ”یہ تیرا اور تیرے شہر والوں کا امام ہے یعنی امام ابو حنیفہؒ“

حضرت داتا صاحب سفر کا ایک اور واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ  
 میں نے حضرت بایزید بسطامیؒ کے مزار پر چلہ کشی کی۔ پھر یہاں سے خراسان  
 کے لئے رخت سفر باندھا۔ راستے میں ایک گاؤں میں شبِ باشی کے لئے  
 مٹھرا۔ گاؤں کی خانقاہ میں تصوف کے کچھ مدعی جمع تھے۔ میں سنت کے  
 مطابق سرمئی رنگ کا کرتا زیب تن کئے ہوئے تھا۔ لیکن صوفیوں کا رسمی  
 ساز و سامان میرے پاس نہ تھا۔ چنانچہ میں ان کی نظر میں بہت حقیر مٹھرا  
 انھوں نے پھمپھوندی لگی سوکھی روٹی مجھے کھانے کو دی۔ نچلی چھت  
 پر مجھے مٹھرا آیا، خود اوپر کی چھت پر سوئے۔ مجھے ان کے لذیذ کھانوں



کی خوشبو برابر آتی رہی۔ وہ کھانا کھانے کے ساتھ ساتھ چھت پر سے مجھ پر مسلسل حقارت آمیز فقرے کتے رہے۔ کھانے سے فارغ ہو کر اپنی سرخوشی کا اظہار کرنے اور میری نخچیر کے واسطے اعمول نے مجھ پر خربوزوں کے چھلکے بھی برسائے شروع کر دیئے۔ میں نے دل ہی دل میں کہا کہ ”پروردگار اگر یہ لوگ تیرے دوستوں کا سا لباس نہ پہنے ہوتے، تو کبھی ان کی یہ شوخی برداشت نہ کرتا۔“

حضرت دانا گنج بخش لکھتے ہیں کہ ماورا والنہر میں دوران سیاحت میں نے فرقہ ملائیتہ کے ایک بزرگ کو دیکھا جو صرف ایسی اشیاء خوردنی کھاتے تھے جو لوگ بیکار سمجھ کر پھینک دیا کرتے تھے۔

ایک اور واقعہ دانا صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں نے دوران سفر احمد سرخشیؒ سے پوچھا کہ وہ کون سا سبب ہے جس نے تمہیں توبہ کی طرف مائل کیا۔ احمد سرخشیؒ فرمایا کہ میں جنگوں میں مقیم رہا۔ اپنی روٹی حاجت مندوں کو دیدیا کرتا تھا اور خود فاقہ کرتا۔ مزید برآں میں نے علاقہ دنیوی سے کنارہ کشی اختیار کر کے صرف اور صرف اللہ سے لو لگائی۔ یہی میری توبہ کا سبب اول ہے۔

قیام عراق کے دوران میں دانا صاحب کہتے ہیں کہ میں نے بہت زیادہ کشادہ دستی سے کام لینا شروع کر دیا۔ اس کا نتیجہ



یہ نکلا کہ میں قرضے کے بار تیلے دب گیا۔

اسی طرح کے اُن گنت پھیرت افروز واقعات وانا صاحب نے اپنے سفر و سیاحت کے متعلق لکھے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ

✽ وانا صاحب نے چالیس برس تک سیاحت کی اس

دوران میں ہمیشہ نماز باجماعت پڑھتے رہے اور

جمعہ کے لئے بالالتزام کسی شہر میں پہنچ جاتے،

اپنے سفر کے تاثرات بیان فرماتے ہیں کہ

” میں علی بن عثمان جلابی ہوں۔ میں نے اپنی سیاحت

کے دوران میں بہت سے رنج و الم اٹھائے۔ بعض

مقامات پر جاہل اور ناپاک لوگوں سے بھی پالا پڑا۔“





## وَرُودِ لَاهُورِ

**کشف الاسرار** کے اردو ترجمہ میں یہ بات تحریر ہے کہ حضرت  
 داتا گنج بخش <sup>رحمۃ اللہ علیہ</sup> ۳۳۱ھ میں لاہور میں تشریف لائے۔ اس وقت آپ نے  
 تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، علوم ظاہری و باطنی اور دیگر متعدد علوم میں  
 کمال حاصل کر لیا تھا۔ اور دنیا کی سیاحت بھی کر چکے تھے۔ مرشد نے جب  
 آپ کو لاہور جانے کا حکم دیا تو آپ نے فرمایا کہ لاہور میں میرے پریمانی  
 حضرت شیخ سید غزالدین زبجانی <sup>رحمۃ اللہ علیہ</sup> تو پہلے ہی تبلیغ حق کے لئے موجود ہیں،  
 میرے جانے کا وہاں کوئی خاص فائدہ تو نہ ہوگا۔ حضرت داتا گنج بخش کے  
 مرشد شیخ افضل بن الحسن انٹلی جنیدی کہنے لگے کہ تم بلا توقف چلے جاؤ۔  
 مرشد کے اس حکم کے روبرو سر تسلیم خم کرتے ہوئے داتا صاحب  
 لاہور تشریف لائے اور شہر کے باہر ہی ایک سرائے میں قیام فرمایا۔ صبح  
 سویرے جب آپ شہر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک جنازہ چلا آ رہا ہے



استفسار پر جب حضرت حسین زنجانی کا نام سنا، تو ارشاد فرمایا اور حکمت الہی پر دم بخود رہ گئے۔ جہاز سے میں شرکت کی، اور تکبیریں و تدفین فرمائی۔

مزار مبارک چاہ میراں میں ہے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے بھی یہ واقعہ اپنی تصنیف 'فوائد القوائد' میں رقم فرمایا ہے۔ مگر تاریخ کے طالب علم اسے پڑھ کر محض کے اسیر ہو جاتے ہیں۔

حضرت شیخ فخر الدین شاہ حسین، خراساں کے مشہور قصبہ زنجان کے رہنے والے تھے۔ اس قصبہ سے بڑے بڑے ذوی علم اور اولیاء اللہ پیدا ہوئے۔ حضرت شیخ فرخ زنجانی، حضرت سید یعقوب زنجانی اور حضرت میر عبد العزیز زنجانی کے اسمائے گرامی تو زبان روحاں و عام ہیں حضرت فخر الدین شاہ حسین زنجانی، ۳۹۹ھ اور ۴۰۰ھ کے درمیان صوفیائے کرام کی ایک جماعت کے ساتھ زنجان سے لاہور تشریف لائے۔ آپ کے ہمراہ سید یعقوب زنجانی بھی تھے جو بعد ازاں صدر دیوان کے لقب سے مشہور ہوئے۔ حضرت حسین زنجانی کم و بیش ۳۵ سال لاہور میں مقیم رہے اور تاریخ لاہور اور آثار لاہور میں مذکور ہے کہ آپ نے ۳۳۴ھ میں وفات پائی۔ یہی سن حضرت صاحب کے ورود لاہور کا ہے۔ اس سے قطع نظر تحقیقات حتمی میں حضرت حسین زنجانی کا سن انتقال ۴۰۴ھ اور حدیقۃ الاولیاء میں ۴۰۰ھ مذکور ہے۔ یہ آخری دو حوالے کسی حد تک



غلط بھی ہو سکتے ہیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر وانا صاحب کے دروہ لاہور کا سن ۱۳۳۱ھ مان لیا جائے تو ۱۳۶۰ھ میں وانا صاحب دمشق میں کیسے تھے۔ جب کہ مرشد کی وفات کا واقعہ دمشق آپ نے کشف المحجوب میں لکھا ہے۔ اس سے یہ بات ذہن نشین کرائی جاسکتی ہے کہ وانا صاحب سولہ سترہ برس لاہور رہنے کے بعد وقتی طور پر مرشد کے انتقال کے وقت دمشق پہنچ گئے ہوں، اور دوبارہ واپس آئے ہوں۔ بعض مورخین یہ لکھتے ہیں کہ وانا صاحب سلطان مسعود غزنوی کے لشکر کے ہمراہ غزنہ سے تشریف لائے۔ آپ کے آنے سے قبل پنجاب اور کالنجروغیرہ کے صوبجات میں ہندو برسر اقتدار تھے۔ لاہور پر جے پال حکومت کرتا تھا۔ امیر سبکتگین نے لاہور اور ملتان پر حملہ کر کے اپنے قبضے میں کر لیا تھا۔ اور لاہور شہر تاجدار ہندی مقبوضات کا صدر مقام بنا۔ بعد ازاں امیر سبکتگین کے بیٹے سلطان محمود غزنوی نے لاہور پر حملہ کیا۔ اور حضرت وانا گنج بخش اپنے ساتھیوں سمیت صبر و شکر سے شکم پرسی کرتے ہوئے سرزمین لاہور میں وارد ہوئے۔

حضرت وانا گنج بخش کے آنے سے لاہور میں توحید کا نعرہ گونج اٹھا۔ اس زمانے میں لاہور اور ملتان میں حالات اگرچہ دیگر گوں تھے۔ کیونکہ سلطان مسعود بن سلطان غزنوی کے آخری ایام تھے۔ لاہور میں اکثریت ہندوؤں



کی تھی۔ اور مسلمان ایسے علماء کے تابع تھے، جو بجائے صراطِ مستقیم پر چلانے کے ان کو گمراہ کئے ہوئے تھے۔ اسلئے یہاں ایک ایسے رہبر کی کمی محسوس کی جا رہی تھی جو حضرت داتا گنج بخش کے آنے سے پوری ہوگئی۔ داتا صاحب اپنے ہمراہ دو اور درویشوں کو بھی لائے۔ یہ تھے جناب حضرت شیخ احمد حماد سرخسی اور شیخ ابو سعید ہجویری جو داتا صاحب کے پہلو میں ہی دفن ہیں۔

حضرت داتا گنج بخش نے لاہور میں سکونت پذیر ہو کر دینِ حق کی تبلیغ و اشاعت کا سلسلہ جاری کیا۔ اہل پنجاب خصوصاً لاہور کے باشندوں کو آپ کے روحانی و اخلاقی فیوض نصیب ہوئے۔ اور لاتعداد لوگوں کو آپ کے اخلاقِ حسنہ اور کلامِ پُر تاثیر کی نعمت لازوال میسر آئی۔ اور ہزاروں غیر مسلم آپ کے دستِ شفقت کو چوم کر مشرف باسلام ہوئے۔ داتا صاحب نے علم و عرفان اور تقدس و روحانیت کے ایسے بیش قیمت دریا بہائے کہ سارا ہندوستان سیراب ہوا ہے

ظلمتِ بدعات و شرک و کفر از لاہور رفت  
 شد چو از، ہجویری طالع آفتاب گنج بخش  
 شد منور خطہ پنجاب از فیض قدوم  
 شد علی مندوم ہجویری جناب گنج بخش





## تبلیغِ حق

حضرت اناج بخش علی ہجویریؒ نے لاہور میں اس جگہ قیام فرمایا۔ جہاں آج کل آپ کا مزار مرجعِ انام ہے۔ اُس وقت لاہور کے لوگ بھی علم و تہذیب سے بہت حد تک عاری تھے۔ چنانچہ وانا صاحب خود تحریر فرماتے ہیں کہ میرے شیخ نے اس کے متعلق بہت سی باتیں بتائی تھیں۔ لیکن میرے لئے اس سے زیادہ قلمبند کرنا ممکن نہیں۔ میری کتابیں غزنی میں خدا اُسے آباد رکھے رہ گئی تھیں اور میں نا جنس لوگوں کی صحبت میں شہر لاہور میں گرتا رہتا تھا، جو ملتان کی حدوں میں ہے۔ خوشی ہو یا غم، ہر حال میں خدا کا شکر ہے۔“

سفینۃ الاولیاء میں مذکور ہے کہ حضرت دانا گنج بخشؒ نے قیام لاہور کے بعد جائے سکونت کے ساتھ ہی ایک مسجد کا سنگ بنیاد رکھا۔ اور طالب علموں کا ایک گروہ آپ کے حلقہٴ درس میں داخل ہو گیا۔

حضرت علی ہجویریؒ دن کے وقت تعلیم دیتے اور رات



کو طالبانِ حق کو ہدایت کیا کرتے۔ آپ کی رہبری سے  
سینکڑوں جاہل، اہل اللہ بن گئے۔ ہزاروں کفار نے  
اسلام قبول کیا۔ گمراہوں نے ہدایت پائی۔ ناقص العلم  
بھی کامل ہو گئے۔

اُن دنوں لاہور علماء کا مرکز بن گیا۔ گویا پانچ دریاؤں کے اس خطے نے  
وِانا صاحب کے قدموں سے حسن و رعنائی پائی۔

تعمیر مسجد کے متعلق دارالشکرہ لکھنا ہے کہ حضرت مرحوم نے جب یہ مسجد بنائی  
تو دیگر مساجد کی بہ نسبت اس مسجد کا رخ قبلہ مائل بہ سمت جنوب نظر آیا۔ اہل  
لاہور اور خصوصاً علماء نے اس پر اعتراضات کئے۔ حضرت وِانا صاحب کچھ  
مدت خاموش رہے اور جب مسجد کی تعمیر مکمل ہوئی تو آپ نے تمام علماء و  
فضلاء کی ضیافت فرمائی۔ تمام علمائے کرام کو جمع کر کے انہیں نماز بھی پڑھائی  
اس کے بعد سب حضرات سے فرمایا کہ تم لوگ اس مسجد کے قبلہ پر اعتراض  
کرتے ہو، اب دیکھ لو کہ قبلہ کی صحیح سمت کونسی ہے۔ لوگوں نے قبلہ کی  
جانب دیکھا تو یکبارگی قبلہ بالمشافہ بچشم ظاہر نظر آیا۔ علماء کی نگاہوں سے  
سب پر سے ہٹ گئے۔ اور وہ کعبہ کو عین سامنے دیکھتے ہوئے اپنے  
اعتراض پر بے حد نادام ہوئے۔ حضرت وِانا گنج بخشؒ کی اس کرامت سے ان  
کے نظر کیمیاء بزرگ ہونے کی دھوم دُور دُور تک پھیل گئی۔ اور آپؒ



قطب الاقطاب مشہور ہوئے۔

حضرت مخدوم سید علی ہجویریؒ کی بنائی ہوئی یہ مسجد برسوں قائم رہی۔ عالمگیر کے عہد میں جب دریائے راوی میں زبردست سیلاب آیا، تو شہر کے مغربی نشیبی علاقہ کی دیگر عمارتوں کی طرح اسے بھی بہت سخت نقصان پہنچا۔ ازاں بعد چودھری غلام رسول صاحب نے مسجد قدیم کی جائے محراب کے نشان کو سنگ مرمر کی ایک سیل کے ذریعہ سے قائم رکھنے ہوتے اس مسجد کو پہلی بار بنیادوں پر از سر نو تعمیر کرایا۔ اس مسجد کی تعمیر نو میں گلزار شاہ نامی ایک مخیر شخص نے بھی حصہ لیا۔ اس مسجد کی تاریخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں سب سے پہلی یہی وسیع مسجد تھی۔ جس کی بنیاد رکھنے کا شرف وانا صاحب کو نصیب ہوا۔ اس مسجد کو اولیائے مشائخ کے تذکروں میں کعبہ پنجاب و ہند کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

حضرت دانا گنج بخش علی ہجویریؒ کی تبلیغی مساعی کی بدولت خطہ لاہور کے ان گنت باشندوں نے اسلام کی دولت پائی۔ بقول منشی محمد دین فوق ”آپ کی زندگی اور آپ کے کلام نے وہ کام کیا، جو تیر و تہنگ اور تیغ و تبر سے بھی ناممکن تھا۔ لوگ جوق در جوق حلقہٴ اسلام میں داخل ہوئے تھے، اور اس منظر نورِ خدا، عارفوں کے پیر کامل اور کاملوں کے رہنما کی توجہ سے تاریکی سے روشنی



جہالت سے شائستگی، بے علمی سے علم اور کفر سے اسلام میں آگئے۔“  
 مست ہوس رہے کہ ان ہزار ہا بندگانِ خدا میں سب سے پہلے جس نو مسلم نے  
 کلمہ توحید پڑھا، وہ لاہور کا نائب گورنر رائے راجو نامی ایک شخص تھا۔ حضرت  
 داتا گنج بخش نے اسے مسلمان کر کے — شیخ ہندی کا لقب دیا۔ اس وقت  
 سے لے کر اب تک شیخ ہندی کی اولاد ہی داتا صاحب کی درگاہ کی متولی چلی  
 آرہی ہے۔

لاہور میں داتا صاحب کا علمی و روحانی فیض ۳۴ برس تک جاری  
 رہا۔ جو بھی آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، علم و عرفان اور دین و  
 دنیا کی دولت سے مالا مال ہو گیا۔ قیام لاہور کے دوران میں جن احباب  
 کے ساتھ داتا صاحب کے مراسم بڑے گہرے تھے، ان میں شیخ حسام الدین  
 لاہوری کا ذکر سب سے زیادہ سننے میں آتا ہے۔ حضرت حسام الدین ایک ذی  
 علم، صوفی منش اور پاک طینت بزرگ تھے۔ ۷۸ برس کی عمر میں لاہور میں  
 وفات پائی۔ آپ داتا صاحب سے پہلے لاہور تشریف لائے تھے۔ حضرت  
 علی ہجویری نے بھی دیار ہند میں حضرت شیخ حسام الدین لاہوری سے اپنی ملاقات  
 کا قصہ بیان کیا ہے۔ آپ ان کی پارسائی سے بے حد متاثر تھے۔ کہتے ہیں کہ میں  
 نے ایک بار ان سے التجا کی کہ میری روحانی ترقی کے لئے کچھ ارشاد فرمائیے۔  
 حسام بولے۔ ہر دم لوگوں کی دلجوئی اور تسکین میں مشغول رہو۔ تاکہ اپنا غم



بھول جاؤ۔ کسی کے جذبات کو ٹھیس نہ پہنچاؤ۔ اور اپنا حاصل کیا ہوا علم ضائع نہ کرو۔

آفتابِ ہجویر کے مصنف پیام شاہ ہجویری ایک مورخ کے بیان کے حوالے سے رقمطراز ہیں کہ سلطان مسعود غزنوی کے عہدِ اقتدار کے بعد راجہ جے پال کے بیٹے انگ پال نے لاہور پر اس زور کا حملہ کیا کہ یہاں کے ہر ایک محلے میں دو ہزار مسلمانوں کی لاشیں دفن کی گئیں اور مسلمانوں کا وجود عمداً بربت کیا۔ اس لحاظ سے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ حضرت علی ہجویری کو اپنا تبلیغی مشن جاری رکھنے میں ہوشیار رہنا تو کالیفِ پیشین آئی ہوں گی، کیونکہ اسی زمانے میں لاہور کی فضا مسلمانوں کے حق میں ناسازگار تھی۔ ان حالات میں حضرت علی ہجویری کا لاہور تشریف لانا اور اسلام کی تبلیغ کرنا یقیناً جہادِ بالسیف سے بڑا کارنامہ ہے۔





## انتقال پر ملا

حضرت و آغا گنج بخش علی ہجویریؒ نے کب وفات پائی؟ اس بارے میں مورخین میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ البتہ اس امر پر سبھی اکتفا کرتے ہیں کہ وانا صاحب نے بڑھی بڑھی عمر پائی اور قریباً ایک صدی روحانیت کا یہ درس دیئے والا خورشید جہاں تاب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ بیشتر مورخوں کا خیال ہے کہ آپ کا انتقال ۴۶۵ھ میں ہوا۔ مولانا عبدالرحمن چاقی اپنی تصنیف عالیہ "تفہیمات الانس" میں وانا صاحب کے انتقال کا سن ۴۶۵ھ صاحب تذکرۃ الاعلیاء میں ۴۶۴ھ ہجری اور داراشکوہ نے سفینۃ الاولیاء میں سن وفات ۴۶۴ھ نکالا ہے۔ وانا صاحب کی خانقاہ کے اندرونی دروازہ پر مولانا چاقیؒ کی یہ تاریخ تحریر ہے۔

خانقاہ علی ہجویری است خاک جاوید ازورش بروار



طوطیا کن بیدہ حتی ہیں! تاشوی واقف در اسرار

چوں کہ سردار ملک معنی بود

سال و صلش بر آید از سردار

۳۶۵

مفتی غلام سردار نے تاریخ وفات یوں نکالی ہے

علی غزنوی آں شاہ، بھوپر سرپا نور روشن ماہ، بھوپر

چو در زید آخر از دنیاے فانی مکان اندر مکان لامکانی

عبان تاریخ اوچوں ماہ گفتم "علی بھوپری عالیجاہ" گفتم

چوں آں شاہ جناب اندر جناب شد

ز سرور سال وی سردار

۳۶۶

مولوی احمد بخش چشتی بیکرل یوں فرماتے ہیں:

شیخ عالی علی، بھوپری بود مخدوم ہر متعار و کبار

ہست سردار ز پور لاہور طرفہ تادریخ وصل آں سردار

۳۶۵ ۳۶۵ ۳۶۵

اگر داتا گنج بخش کا یہ سال وفات یعنی ۳۶۵ بان لیا جائے تو آپ

کی زندگی کی اکثر کڑیاں باہم مربوط نہیں رہتیں۔ پروفیسر علم الدین سالک



اپنے مختصر کتابچہ بعنوان داتا گنج بخش کے صفحہ ۷۱ پر رقمطراز ہیں کہ کشف المحجوب میں بہت سے ایسے بزرگوں کا ذکر ملتا ہے جن سے حضرت مخدوم داتا گنج بخش فیضیاب ہو چکے تھے۔ مگر تصنیف کے وقت وہ بزرگ رحلت فرما چکے تھے چنانچہ ان کے لئے آپ نے ماضی بعید کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کتاب مذکورہ کی تصنیف کے وقت یہ بزرگ دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ ان میں امام ابوالقاسم قشیری المتوفی ۳۶۵ھ ابوالحسن سالہ المتوفی ۳۷۳ھ، ابوعلی فارمدی ۳۷۷ھ شیخ عبداللہ القاری ہروی المتوفی ۳۸۱ھ خاص طور پر ہماری توجہ اپنی جانب مبذول کراتے ہیں۔ ان کے حالات اور سین و فوات پر غور کرتے سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ کشف المحجوب ۳۸۱ھ کے بعد مکمل ہوئی۔ آپ اس کے بعد بھی زندہ رہے۔ اسی لئے آپ کی وفات کا زمانہ ۳۸۵ھ اور ۵۰۰ھ کے درمیان تعین کیا جاسکتا ہے۔ اور زیادہ غلبہ یہی ہے کہ آپ ۵۰۰ھ کے آغاز میں فوت ہوئے ہیں۔ یہی وقت حضرت حسین زنجانیؒ کے تاریخ وفات پر بھی پیش آتی ہے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ انتقال کے بعد بھائی دروازہ لاہور کے باہر بہ جانب مغرب اپنی بنائی ہوئی مسجد کے قریب ہی پیوند خاک ہوئے۔  
 ※ بھائی دروازہ لاہور جسے حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار کی قربت سے شہرت دوام حاصل ہو چکی



ہے۔ بڑی دلچسپ اور ایمان افروز تاریخ کا حامل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ داتا صاحب کو قیام لاہور کے دوران میں اپنی جائے سکونت تک پہنچنے کے لئے بھائی دروازہ سے گذر کر جانا پڑتا تھا اور مخدوم علی بھویریؒ کا حلقہ ارادت اس قدر پھیل چکا تھا کہ لوگ بھائی دروازہ کو بھویری دروازہ کہنے لگے تھے۔

جسٹس امیر علی اپنی مشہور کتاب "ہائی سپاٹس آف پنجاب" میں لکھتے ہیں کہ بھٹی قوم جس کے نام سے بھائی دروازہ منسوب تھا، انھوں نے نام کی اس تبدیلی کا برا منایا۔ سلطان مسعود غزنوی سے شکایت بھی کی اور دروازہ کا نام بدل کر بھٹی سنگھ دروازہ رکھ دیا۔ اس واقعہ کی اطلاع جب داتا صاحب کو ملی، تو انھوں نے دونوں قوموں کے عمائدین کو اپنی مسجد میں اکٹھا کیا اور انھیں وضاحت فرمائی کہ نام بدلنے سے کچھ نہیں ہوتا، جب تک لوں میں انقلاب نہ برپا کیا جائے، بالآخر دونوں قوموں کے نمائندوں نے داتا صاحب پر فیصلہ چھوڑ دیا کہ جو نام وہ تجویز فرمائیں، بلاچوں و چرا قبول کر لیا جائیگا۔ داتا گنج بخش نے قدرے توقف کے بعد یہ فیصلہ دیا کہ اس کا سابقہ نام بھائی دروازہ ہی رہنے دیا جائے۔ سنگھ داتا صاحب کے اس فیصلہ پر اذہس خوش ہوا اور حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ بقول جسٹس امیر علی "اس واقعہ کے ایک ماہ کے اندر ہی پوری بھٹی قوم مشرف بہ اسلام ہو گئی۔"



## مزارِ اقدس

حضرت دانا گنج بخش کا مزار اقدس آج بھی مرجعِ خاص و عام ہے۔ یہ مزار اقدس سب سے پہلے سلطان محمود غزنوی کے برادرِ بڑا وہ ظہیر الدین سلطان ابراہیم بن مسعود غزنوی نے بنوایا تھا۔ بعد کو مغل اعظم جلال الدین اکبر نے بھی مزار کی توسیع میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ چوتھے کے گرو کا حجرہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے قبیل بان مہیاں عوض خان نے ۱۲۴۵ء میں تعمیر کرایا۔ زمانہ سلف میں مزار کے گرو و نواح میں ایک وسیع قبرستان تھا، جو سکھوں کے زمانہ میں مسمار کر دیا گیا تھا۔ اب صرف چند قبریں موجود ہیں۔

حضرت دانا گنج بخش کے مزار تک پہنچنے کے لئے اب نین صدر دروازے ہیں۔ ایک روازہ صرف خواتین کے لئے ہے۔ کسی بھی دروازہ سے داخل ہوں تو سب سے پہلے سامنے قدیم مسجد نظر آتی ہے۔ اگر



درگاہ کے بیرونی مشرفی دروازہ سے داخل ہوں، تو سب سے پہلے مسجد  
کے اندر فی دروازہ پر یہ کتبہ نظر پڑتا تھا ہے

بچوں نباشد از غلامان رسول مسجد سے بر آستان گنج بخش  
خواستہ سالے نباش ناگہاں ہاتھ از عاکفان گنج بخش  
گردن از سجدہ بروں آورد و گفت  
سجدہ گاہ زائران گنج بخش!

مسجد کی توسیع کے دوران میں اس کتبہ کو نظر انداز کر دیا گیا۔  
مزار کی عمارت میں داخل ہونے سے پہلے بائیں طرف کے دروازہ پر  
علامہ اقبال کی موزوں کی ہوئی یہ تاریخ بھی نظر آتی تھی ہے

سال بنائے حرم مومناں خواہ ز جبریل وز ہاتف جو  
چشم بہ المسجد الاقصیٰ فکن الذی مار کہ ہم بگو

آج کل یہ دروازے ختم کر کے مسجد کے صحن کو وسیع کیا جا چکا ہے  
اور مذکورہ اشعار بھی نظر نہیں آتے۔ اب صدر دروازے سے کچھ ہی  
فاصلہ پر غلام رسول کی قبر ہے۔ جنہوں نے قدیم مسجد کی جائے مہراب کے  
نشان کو سنگ مرمر کی ایک سل سے قائم رکھ کر نئی مسجد تعمیر کرائی تھی۔ ان کے  
مرقد پر تاریخ وصال ۱۱۳۳ھ لکھی ہوئی ہے۔ حاجی غلام سرور  
کے ساتھ ہی حضرت شاہ حضورؒ کا مرقد ہے۔ جو حضرت انا گنج بخشؒ



علی ہجویری کے پھوپھی زاد بھائی ہیں۔ پہلے ان دونوں قبروں پر ایک کمرہ نما حجرہ ہوتا تھا۔ جہاں تبرک تقسیم ہوتا تھا۔ قبروں کے سوا اب یہ ساری جگہ مسجد کے صحن میں شامل ہو چکی ہے۔

حاجی غلام رسول مرحوم اور حضرت حضور شاہ کی قبروں کے ساتھ ہی میں تو پہلے گوشہ برہی دائیں جانب حضرت خواجہ معین الدین چشتی کا حجرہ اعتکاف ہے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیر جاتے ہوئے لاہور ٹھہرے تھے۔ اور حضرت مخدوم کے مزار اقدس پر چلہ کشتی فرمائی تھی اور اکتساب فیوض و برکات اور عطائے خلعت و قطبیت ہند کے بعد رخصت ہونے سے قبل مزار کی پائنتی پر دست بستہ کھڑے ہو کر یہ شعر پڑھا تھا ہے

گنج بخش فیض عالم منظر نو خردا

ناقصاں را پیر کامل کا ملاں را رہتا

اُس وقت گنج بخش زبان زد خلافت ہو گیا۔ حضرت معین الدین چشتیؒ کے شعر فرمانے سے قبل بھی خلقت خدا حضرت علی ہجویری کو "گنج بخش" کہتی تھی۔ وانا، کا اضانہ عقیدت مندوں کے جذبہ الفت کا اظہار ہے خود حضرت وانا صاحب "کشف الاسرار" میں لکھتے ہیں:

"لوگ مجھے گنج بخش کے لقب سے پکارتے ہیں



حالانکہ میں نادار ہوں“

پھر آگے چل کر کہتے ہیں کہ ”یہ سوت تکبر کی بات ہے۔ گنج بخش ہو،  
یا رنج بخش، یہ سب صفات ذات حق کے لئے مخصوص ہیں۔“ اس سے  
ثابت ہوتا ہے کہ خواجہ معین الدین چشتیؒ کی آمد سے قبل بھی عوام الناس آپ  
کو گنج بخش کہتی تھی۔ اور وجدانی کیفیت میں آکر ہی حضرت معین الدین سنجری  
چشتیؒ نے ”گنج بخش“ اپنے شعر میں استعمال کیا۔ حضرت معین الدین چشتیؒ  
کا حجرہ اعتدکاف تاحال روہر و گنج بخش زیارت گاہ خاص و عام ہے۔“

حضرت خواجہ خواجگان، معین الدین سنجری اجمیری کے علاوہ برصغیر  
پاک و ہند میں جس قدر اولیاء کبار ہوئے ہیں، ان میں سے اکثر حضرت  
داتا گنج بخشؒ کے روحانی فیض سے بہرہ اندوز ہوئے۔ ان میں حضرت  
فرید الدین گنج شکر، خواجہ باقی باللہ، حضرت مجدد الف ثانیؒ، شیخ  
محمد اسماعیل عرف میاں وڈا، اور حضرت میاں میر کے اسمائے گرامی  
خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

بزرگان دین کے ساتھ ساتھ سلاطین و وقت بھی آپ کے مزار  
پر الوداع پر حاضری دینے آتے تھے۔ ان میں سلطان ابراہیم غزنوی، سلطان  
معز الدولہ غزنوی، سلطان خسرو شاہ غزنوی، سلطان خسرو ملک غزنوی،  
سلطان محمد غوری، سلطان قطب الدین ایبک، التمش، غیاث الدین بلبن،



سلاطین خاندان سادات، منعلوں میں اکبر، جہانگیر، شاہ جہاں اور داراشکوہ  
 مسلسل باقاعدگی سے مزار پر حاضر ہوتے تھے۔ اور اپنی قلبی عقیدت کے  
 علاوہ نذرانے بھی دیتے تھے۔ میر مومن خان کو جو مغلیہ دور حکومت  
 میں لاہور کے آخری گورنر تھے حضرت سید علی اہجویری کی ذات بابرکات  
 سے والہانہ عشق تھا۔ وفات کے وقت انہوں نے اپنی یہ نیک آرزو ظاہر  
 کی تھی کہ دربار کے زائرین جہاں آکر جوتیاں اتاریں وہیں میری قبر کے  
 تعویذ بنائی جائیں تاکہ وانا صاحب کے آستانے پر چل کر آنے والوں کی  
 کفش بروری مجھے نصیب ہوتی رہے۔ لاہور کے اس گورنر کی توجہ سے  
 پہلے مسجد کی بیڑیوں کے پاس ہوتی تھی۔ اور اب ذرا آگے کو ہے۔

حضرت علامہ اقبالؒ کو بھی داتا گنج بخش سے بڑی عقیدت تھی۔  
 وہ اکثر الصباح پیدل چل کر مزار شریف تک آیا کرتے تھے۔ اپنی اس  
 عقیدت کا اظہار انہوں نے اپنے شعروں میں بھی کیا ہے۔ ایک حکایت  
 سناتے ہوئے 'اسرار خودی' میں فرماتے ہیں کہ

سید ہجویری مخدوم امم      مرقد او پیر سخن را حموم  
 بند ہائے کوہ سار آساں گنجت      در زمین ہند تخم سجدہ ریخت

عہد فاروق از جالش تازہ شد  
 حق از صرف او بلند آوازہ شد



تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ اگرچہ رنجیت سنگھ نے اپنے عہد حکومت کے شروع میں مزار گنج بخش میں جوڑے ہوئے تمام ہیرے اور جواہرات نکلوائے تھے، مگر اس کے باوجود وہ مزار پر مسلسل حاضری دیتا تھا اور اس کی طرف سے نذرانہ بھی مقرر تھا۔ رنجیت سنگھ کی راہیاں بہارانی چندر کو اور بہارانی موراں بھی دانا صاحب کی عقیدت گزار تھیں۔ مشرق کی طرف کا صحن چندر کوہ کا تعمیر کردہ ہے، جو چند تراہیم کے بعد آج بھی اس کی عقیدت کا واضح ثبوت ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے حجرہ اعتکاف کے سامنے سلیمان مجاؤ کی قبر ہے۔ جو اکبر کے زمانے میں بنی۔ یہاں سے قدم بڑھائیں تو سامنے سنگ مرمر کے سفید چوتھرے پر حضرت علی ہجویریؒ کا مزار نظر آتا ہے۔ وسط میں حضرت علی ہجویریؒ اور ان کے پہلوؤں میں حضرت شیخ احمد چشتیؒ اور ابوسعید ہجویریؒ استراحت فرما ہیں۔ جیسا کہ لکھا گیا ہے۔ مزار کا چوتھرہ ظہیر الدولہ اور احاطہ قبیل بان عوض خان نے بنایا تھا۔ احاطے کے اوپر کا گنبد ۱۲۷۸ھ میں میر سادوہ نے بنوایا تھا۔ کلام اللہ کے متعدد قدیم نسخے بھی درگاہ پر چڑھائے گئے۔ ان میں رنجیت سنگھ کی رانی موراں کا پیش کردہ قرآن حکیم، محمد خان چٹھا ساکن احمد نگر کا ہدیہ ناصر جنگ والی وکن کا دستخط کردہ نسخہ، امیر بخش کا پیش کردہ قرآن، بہاراجہ رنجیت سنگھ



کا پیش کیا ہوا وہ قرآن جو اس نے افغانوں پر فتح پانے کے بعد بھیجا تھا۔  
 اور کسی نامعلوم شخص کا نذر کردہ نسخہ قرآن جو شک سے لکھا ہوا تھا۔ خاص طور  
 پر قابل ذکر ہیں۔ مگر افسوس کہ اب یہ تمام نسخے گم ہو چکے ہیں۔  
 حانان گنج بخش کے آستانہ کے چاروں طرف اشعار لکھے ہوئے  
 ہیں۔ وسط میں خواجہ اجمیر کا شعر ہے۔ اس شعر کے بائیں جانب یہ اشعار  
 پڑھنے میں آتے ہیں ۷

چہ حسنت آنکہ در یکدم رارخت حد نظر بلینم  
 ہنوزم آرزو باشد کہ یکبار دگر بلینم

ابو بکر ہچو کعبہ عمر و رطواف او  
 عثمان آب زمزم علی حج اکبر است

ہر آستان تو ہر کس رسید مطلب یافت  
 ردا مدار کہ من نامید بر گمردم

دائیں جانب یہ اشعار ہیں ۷  
 ہر کس کہ بہ درگاہ تو آید بہ نیاز



محروم زورگاہ تو کے گر دو غبار

چہ جائیکہ زاہدان بہ ہزار اربعین رسد

مست شراب عشق بہ یک آہ میرسد

روضہ داتا گنج بخش کے شمال کی طرف پانی کا ایک چھوٹا سا گھروندہ ہے۔

عقیدت مند یہاں سے پانی پیتے ہیں۔ اس پانی کو آنکھوں سے لگا کر تسکین روح حاصل کرتے ہیں۔ اور گھروں کو بھی لے جاتے ہیں۔

پانی کے اس چھوٹے سے گھروندے کے ساتھ

ہی پاکستان کے سب سے بڑے اشاعتی ادارے

فیروز سنٹر کے بانی، مفسر و مترجم قرآن مجید، عالم دین

الحاج حضرت مولوی فیروز الدین مرحوم آسودہ ہیں

مرقد مبارک کا یہ شعر زائرین کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے

جب یہاں بہر زیارت آئیے

میرے بھی حق میں دعا فرمائیے

حضرت مولوی فیروز الدین کے ساتھ ہی سجادہ نشین غلام حیدر آسودہ ہیں

جن کا انتقال ۷ ارجون ۱۹۳۷ء میں ہوا تھا۔ ان کے ساتھ ہی صاحب سوداگر

شیخ محمد امین دفن ہیں۔ جن کی تربیت پر لکھا ہوا شعر ان کی داتا گنج بخش سے



دلی قربت ظاہر کرتا ہے۔ شعر ہے ۵

سرمہ کش خاک در گنج بخش بہر روز از لعل و زہر گنج بخش  
 داتا گنج بخش کے مزار کے احاطہ میں حضرت مولانا ابوالحسنات سید محمد  
 قادری بن حضرت سید دیدار علی شاہ الوری سپرد خاک ہیں۔ مرقہ مبارک

پر یہ کتیہ تحریر ہے ۵

جلیل المراتب سید ابوالحسنات

مشہور زماں مفسر ترائی

۱۳۸۰ھ

۱۳۸۰ھ

یہ داتا کے آستانے کی عظمت ہے کہ یہ شروع ہی سے عقیدت مندوں کا  
 گہوارہ چلا آ رہا ہے۔ شاہ و گداسب آپ کے روحانی فیض سے متمتع ہوتے  
 چلے آ رہے ہیں۔ ہر سال ۱۹ اور ۲۰ صفر المنظر کو آپ کا عرس بڑے اہتمام سے  
 منایا جاتا ہے۔ دور دراز سے زائرین چل کر آتے ہیں۔ ان دنوں میں داتا کے  
 آستانے کا نظارہ دیدنی ہوتا ہے۔ اور آستانہ عالیہ پر خلعتی خدا کے اژدہام کا  
 وہی منظر نظر آتا ہے، جو آج سے صدیوں پیشتر تھا۔ عرس سے چالیس دن  
 قبل ۹ محرم الحرام کو مزار کو غسل دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد مرقہ پر نیا علاف  
 چڑھایا جاتا ہے۔ نعت خوانی ہوتی ہے۔ بھنڈارہ بھی تقسیم ہوتا ہے۔ عقیدت مند  
 نذر لے لے کر آتے ہیں۔ دار اشکوہ لکھنا ہے کہ جمعرات کی شام اور جمعہ کے  
 دن خلق خدا داتا کے مزار پر بکثرت آتی ہے اور لوگوں کا اعتقاد ہے کہ جو



چالیس جمعراتیں یا چالیس دن یہاں آئے۔ اس کی مرادیں قبول ہو جاتی ہیں  
اس اعتبار سے دانا کا فیض برسوں سے جاری ہے۔

حضرت دانا گنج بخش کے مزار کی توسیع کا کام ۱۹۶۱ء میں شروع ہوا  
جب زائرین اور نمازیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر یہ ضرورت محسوس  
کی گئی۔ بیرونی چار دیواری سے تین صد ڈالنے نکلے گئے۔ دو دروازے  
جناب سید مراتب علی مرحوم کی مالی اعانت سے تعمیر ہوئے اور تیس دروازہ  
جو ہدیری عبید محمد نے بنوایا۔ اس توسیع کا کتبہ ۱۸ اپریل ۱۹۶۱ء کو سابق گورنر  
مغربی پاکستان جناب اختر حسین نے نصب فرمایا۔

ایک اندازے کے مطابق اس وقت مسجد اور مزار کی توسیع تقریباً  
بارہ لاکھ روپے خرچ کئے گئے۔ اس میں سے صرف مسجد کی تعمیر پر چار لاکھ  
روپے صرف ہوئے۔ اور یہ اخراجات محمد بن مرحوم پنکھے والے نے  
برداشت کئے۔ مزار اور مسجد کی تعمیر کے بعد خیراتی شفا خانہ کا سنگ بنیاد سابق  
گورنر مغربی پاکستان ملک امیر محمد خان مرحوم نے ۷ فروری ۱۹۶۲ء کو رکھا۔  
اس پر سو ادولاکھ روپے صرف ہوئے۔ بعد میں ایک ادارہ علوم اور سبے  
سہارا خواتین کے لئے دارالامان اور معذور لوگوں کے لئے ایک محتاج خانہ  
بنایا گیا۔

مسجد اور مزار کا اوقاف نے ۱۹۶۰ء میں اس وقت ذمہ لیا، جب دربار



داتا صاحب کا سارا نظام سجادہ نشینوں نے درہم برہم کر رکھا تھا اور یہاں  
 چوری، شراب نوشی اور جوتے بازی کے اڈے قائم ہو چکے تھے۔ اوقاف  
 کی نگرانی میں داتا صاحب کے مزار کو اسلامی رونق بخشی گئی اور یہاں سے  
 غیر شرعی اور غیر اسلامی سرگرمیوں کا مکمل طور پر استیصال ہو گیا۔ اب یہاں  
 کا انتظام پہلے سے بدرجہا بہتر ہے۔ محکمہ اوقاف مزار و مسجد کی حفاظت  
 میں بھرپور دلچسپی لے رہا ہے۔ زائرین کی سہولتوں کا زیادہ سے زیادہ  
 خیال رکھا جاتا ہے۔ اوقاف کی طرف سے داتا صاحب کے مزار کی آمدنی  
 دیگر نفاہی کاموں پر بھی خرچ کی جا رہی ہے۔ مزید برآں اس میں سے  
 نادار طلبہ و طالبات کو اعلیٰ تعلیم اور تحقیق و تفسیح کے لئے وظائف بھی  
 دیئے جاتے ہیں۔ معذور لوگوں اور بیوہ خواتین کی ہر ممکن امداد بھی کی  
 جاتی ہے۔ اہل ثروت اور عقیدت مند تمام نذرانے اور عطیات منجبر  
 اوقاف کے نام بھیج کر باقاعدہ درج کرتے ہیں اور ان کا حساب کتاب  
 رکھا جاتا ہے۔





## تصنیفات

یہ امر یقینی ہے کہ حضرت علی ہجویری نے تصوف اور سلوک و معرفت پر متعدد کتب تصنیف فرمائیں۔ لیکن آج کشف المحجوب کے سوا باقی سب ناپید ہیں حتیٰ کہ ان کے نام تک محفوظ نہیں ہے۔ صاحب سفینۃ الاولیاء کا یہ بیان کہ حضرت پیر علی ہجویریؒ رتصانیف بسیار اس حقیقت کی نشان دہی کرتا ہے کہ داتا صاحب ان گنت کتابوں کے مصنف تھے۔ آج ان کتابوں میں سے صرف بعض کے نام ہی باقی رہ گئے ہیں اور ان کی یاد بھی کشف المحجوب سے ہی تازہ ہوتی ہے۔ تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ حضرت داتا گنج بخشؒ کو نو عمری ہی میں تصنیف و تالیف کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔

کشف الاسرار سے پتہ چلتا ہے کہ جب آپؒ غزنی میں تھے، تو شیخ بزرگ نامی ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی۔ شیخ بزرگ نے آپ کو کوئی کتاب لکھنے کی ترغیب دی۔ تاکہ آپ میں علم کو زیادہ سے زیادہ پھیلانے کا



شوق پیدا ہو، چنانچہ دانا صاحب کہتے ہیں کہ میں نے شیخ بزرگ سے عرض کی کہ ”میری عمر ابھی بارہ سال سے تجاوز نہیں ہوئی اور ایک کتاب کی تدوین کے لئے علم کا ایک وسیع خزانہ درکار ہوتا ہے اور میں ابھی اس قابل کہاں کہ کوئی کتاب لکھ سکوں۔“ آگے چل کر دانا صاحب اس واقعہ کو یوں مکمل کرتے ہیں کہ ”جب اس بزرگ کا اصرار بڑھ گیا تو میں گھر سے وہ کتاب لے آیا، جو میں نے ان دنوں لکھی ہوئی تھی۔ شیخ اس کتاب کی ابتدائی سطور کو پڑھ کر بے حد خوش ہوئے۔ دعا فرمائی اور کہا کہ یہ کتاب تیرے علم کو بڑھاتے گی۔“ یہ حضرت علی ہجویریؒ کی پہلی تصنیف تھی۔ مگر افسوس اس کا نام آج تک معلوم نہیں ہو سکا۔

کشف المحجوب کے مطالعہ سے دانا صاحب کی جن تصانیف کا پتا چلتا ہے وہ یہ ہیں (۱) کشف المحجوب (۲) دیوان (۳) مہناج الدین (۴) کتاب الصنعا (۵) سرار الخرق والموقوفات (۶) کتاب البیان الابل العیان (۷) بحر القلوب (۸) الرعايت لمخفوق اللہ (۹) کشف الاسرار

\* ان تمام کتب میں نمایاں، مستند، مشہور اور حامل علوم معنوی کشف المحجوب ہی ہے۔ اس کے مطالعہ سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ حضرت دانا گنج بخش ایک بلند پایہ مصنف ہی نہیں، نغز گو شاعر بھی تھے، اور



## شعر و سخن کا ذوق رکھتے تھے۔

آپ نے اپنی شاعری کا ایک دیوان بھی مرتب کیا۔ مگر افسوس سے کوئی اور آدمی مانگ کر لے گیا۔ دیوان کی اس چوری کا واقعہ آپ نے خود لکھا، اور بتایا ہے کہ اس شخص نے میرے اشعار اپنے نام منسوب کر لئے اور میرے نام کی جگہ اپنا تخلص استعمال کر کے اس کا مالک بن بیٹھا۔

بعض تذکروں میں حضرت انا گنج بخش علی ہجویری کے اشعار بھی پڑھنے میں آتے ہیں۔ شعر و ادب سے شغف رکھنے والا ہر شخص انھیں پڑھ کر دیوانہ وار جھوم اٹھتا ہے۔ آپ کی درج ذیل غزل تو زبانِ نادر خاص و عام ہے ملاحظہ فرمائیں ۷

عشق تو دارم مہمان و بر ملا	اشتیاق تو زو شب دارم دلا
گر مرا آزاد آید یا بلا	جاں بخواہم داد اندر کوئے تو
میدہم از عشق تو ہر سو صلا	سوز تو دارم بساں جان و دل
مست دریاوت بگرداں یا مرا	یا خداوندا! رقیباں را بکش
مہربانی کن بمن غم مبتلا	یارم من! داری شراب جام خوش
کن تو آریے و مکن ہرگز تولا	دلبر از تو ہمے خواہم لفتا

اے علی تو فرخی در شہر و کو

دہ ز عشق خویشتن ہر سو صلا



غزل کا انداز بیان دانا صاحب کے پاکیزہ شعری ذوق کی عکاسی کرتا ہے۔ اشعار تصنیع اور آورد سے بتر ہیں۔ آپ کی شاعری کیا ہے؟ عشقِ الہی کے جذبات ہیں جو آپ کے دل میں موجزن ہیں اور محضیں آپ نہایت سادگی مگر سوز و گداز میں ڈوب کر کہہ جاتے ہیں۔ کلام میں ہر جگہ حسنِ تغزل موجود ہے۔ دانا صاحب اپنی شاعری کا جو پس منظر بیان فرماتے ہیں۔ اس میں بھی کس قدر شعریت حسن و رعنائی اور انداز بیان میں دلکشی موجود ہے۔ ترجمہ دیکھئے۔

”میں ہر روز اپنے محبوب کا دیدار کرنے جاتا ہوں۔ اس کی دید کی تڑپ۔ اور جب مجھے اس کا رخ روشن نظر پڑتا ہے، تو بے اختیار میری زبان سے شعر جاری ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح میرا دیوان مرتب ہو گیا۔“

دانا صاحب کا دیوان جہاں شعری خوبیوں کا حامل تھا۔ وہاں — منہاج الدین دانا صاحب کی اہم نثری کتاب تسلیم کی جاتی ہے۔ مگر بد قسمتی سے یہ کتاب بھی کسی شخص نے اچک لی۔ دانا صاحب کو اس کے کھوجانے کا بڑا قلق ہوا۔ تصوف کے موضوع پر یہ ایک اہم کتاب تھی جو غزنی میں لکھی گئی، اس میں اصحابِ صفہ کے حالات کے علاوہ حسین بن منصور حلاج کے مکمل حالات زندگی رقم تھے، — کتاب ’الصنعا و البقا‘ میں بھی حسین بن منصور حلاج کے



اقوال و ارشادات کی تشریحات تھیں۔ داتا صاحب نے یہ کتاب عالم شباب میں لکھی تھی۔ اس کے بعد 'اسرار الخرق والموافات' کا ذکر آتا ہے۔ اس میں صرفیوں کے دلی مرقح کا ذکر تھا۔ اس میں درویش کے ظاہر و باطن پر سیر حاصل بحث کی گئی تھی۔ اور مرشد و مرید کی صفات و تعلقات کی بھی وضاحت کی گئی تھی۔ کتاب البیان العیان وصل و الثقیان الہی سے متعلق تھی۔ داتا گنج بخشؒ اسے اپنی اولین تصنیف قرار دیتے ہیں۔ اس سے قیاس کیا جاتا ہے کہ یہ وہی پہلی کتاب ہو سکتی ہے جس کا ذکر ابتدا میں کیا گیا ہے۔ 'بہر القلوب' میں داتا صاحب نے ایمان کی فصیلت پر روشنی ڈالی تھی۔ اور 'الرعایت لمحقوق اللہ' کا موضوع تھا۔ مسئلہ توحید، اس میں خدا کی وحدانیت اور اس کے لاشریک اللہ کی وضاحت کی گئی تھی۔ اور اس میں ان باطل پرستوں کے نظریات کی مدلل تشریح کی گئی تھی۔ جو تثلیث کے قائل ہیں۔ یا جو کئی فرضی خدا مانتے ہیں۔

اب آخر میں رہ جاتی ہے۔ 'کشف الاسرار' یہ ایک مختصر سا رسالہ ہے۔ جسے داتا صاحب کے نام منسوب کیا جاتا ہے۔ یہ لاہور میں طبع ہوا اور کشف المحجوب کی تکمیل کے بعد لکھا گیا۔ اس میں مذکورہ پر مغز مثالیں اور ہر آیت کشف المحجوب سے بہت مطابقت رکھتی ہیں۔ مصنف کا اسلوب نگارش پند و نصائح کا ابلاغ اور اندازِ تکلم داتا صاحب ایسا ہی ہے۔ بقول پروفیسر



شیخ عبدالرشید اگر کشف الاسرار کو حضرت ہجویری کی تصنیف نہ تسلیم کیا  
جائے تب بھی انا ضرور سب سے کہ یہ رسالہ ان کی تعلیمات کا اچھا خلاصہ ہے۔  
قطع نظر اس ابہام کے وانا صاحب خود کہتے ہیں :

” میں علی بن عثمان جلابی ہوں۔ طالبانِ حق کے لئے میرے

پاس بڑی مفید باتیں ہیں۔ ان پر عمل سے ہر شخص سرخیل مشائخ

بن جائے گا۔ میں نے اپنی کتاب ’کشف المحجوب‘ مختصر سی مدت

میں لکھ دی تھی۔ کچھ اور باتیں جو ذہن میں آتی ہیں، قلمبند کرتا

ہوں اور اس کا نام ’کشف الاسرار‘ تجویز کرتا ہوں۔“

مذکورہ بالا تمام تصانیف معہ سوائے ’کشف الاسرار‘ کے ناپید

ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان کتابوں کے بارے میں زیادہ سے

زیادہ تحقیق کی جائے۔ یہ علم کے گہرے نایاب ہیں۔ جو تارکیوں میں

بھٹکنے والوں کے لئے شمع ہدایت کا کام دے سکتے ہیں۔





## کشف المحجوب

حضرت وانا گنج بخش صرف زہد و ریاضت میں یکتائے روزگار

نہ تھے، بلکہ مصنف کی حیثیت سے بھی بلند مقام رکھتے تھے۔ جیسا کہ پہلے بھی  
کئی مرتبہ یہ ذکر کیا گیا ہے کہ آپ کے علم و فضل کا شاہکار آپ کی وہ  
شہرہ آفاق اور مایہ ناز تصنیف ہے، جو کشف المحجوب کے نام سے زبان  
زورِ خلائق ہے۔ اس کتاب کو فارسی زبان میں سب سے پہلی اہم تصنیف  
ہونے کا فخر حاصل ہے۔ یہ وہ اہم اور قابل احترام کتاب ہے کہ مولانا  
جانی، حضرت نظام الدین اولیاء اور داراشکوہ ایسے مقدر لوگ بھی اس  
کے مداح تھے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کہتے ہیں کہ

\* ”جس کا کوئی مرشد نہ ہو، وہ کشف المحجوب کا مطالعہ  
کرے، یہ کتاب اس کے لئے پیرِ طریقت  
بن جائے گی۔“



مولانا جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ”یکے از کتب مشہور کہ دریں فن است و لطائف و حقائق بسیار در آن کتاب جمع کرده است“

مشہزادہ دارانشکوہ کے نزدیک فارسی میں کشف المحجوب کے پایہ کی کوئی کتاب موجود نہیں۔ اُس کا کہنا ہے کہ ”کشف المحجوب“ مشہور و معروف است و هیچ کس را بر آن سخن نیست و مرشد سے است کامل و در کتب تصوف بہ خوبی آن در زبان فارسی تصنیف نہ شدہ“

کشف المحجوب کب تصنیف کی گئی، اس کے بارے میں اس کتاب کی اندرونی شہادتوں سے یہ باپایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ یہ ۳۸۱ھ کے بعد ملتان کے قریب بھنور نامی مقام پر مکمل ہوئی۔ اس کتاب کی تدوین کے جواز میں حضرت علی ہجویری فرماتے ہیں کہ میرے ایک رفیق ابو سعید ہجویری نے مجھ سے کہا تھا کہ طریق تصوف کی حقیقت اور مقامات صوفیہ کی کیفیت اور ان کے مذاہب و مقالات کا حال بیان کروں چنانچہ میں نے یہ کتاب قلمبند کر دی

”کشف المحجوب“ کے قلمی نسخے مشرق و مغرب کے اکثر کتب خانوں کی زینت ہیں۔ لاہور میں گذشتہ صدی عیسوی کے اواخر سے یہ کتاب متعدد بار شائع ہو چکی ہے اور یہیں سے کئی ادو تراجم بھی وقتاً فوقتاً طبع ہوتے رہے ہیں۔ انگلستان سے پروفیسر نکلسن نے گب میموریل سیرینڈ میں انڈیا آفس اور برٹش میوزیم کے مخطوطات کی مدد سے ۱۹۱۱ء میں اس



کا انگریزی ترجمہ شائع کیا تھا۔ روس میں پروفیسرز و کوفسکی نے وی آنا، لینن گراڈ اور تاشقند کے چند قدیم مخطوطات کی بنا پر ایک نسخہ مرتب کیا تھا۔ جو ۱۹۲۶ء میں لینن گراڈ میں طبع ہوا۔ بعد ازاں اس نسخے کا عکس آقا محمد عباسی نے ایمان سے بھی شائع کیا۔ علاوہ ازیں سمرقند کے مفتی مولوی عبد المجید نے ۱۹۲۸ء میں ایک نسخہ طبع کرایا تھا جو منن کے اختلاف کے علاوہ کتابت و طباعت کے لحاظ سے بھی منفرد تھا۔

کشف المحجوب کے مستند ہونے کے بارے میں صرف اتنا ہی کہا جا سکتا ہے۔ کہ اسلام اور ایمان کا کوئی ایسا مسئلہ نہیں، جس سے پہلو تہی برقی گئی ہو۔ یہ کتاب اکیس ابواب پر مشتمل ہے۔ اس میں محض نام اور حوالے ہی درج نہیں ہیں۔ بلکہ اس میں بزرگوں اور معاصر صوفیاء کرام کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ حضرت علی ہجویریؒ نے اپنے اساتذہ بزرگ معاصرین کے حالات اور تعلیمات و ہدایات کو بیان کیا ہے۔ کتاب میں دانا صاحب نے دینی اور دنیوی امور کے بارے میں علم و حکمت کے وہ دریا بہائے ہیں۔ جن سے حقیقتاً انسانی زندگی سیراب ہو سکتی ہے۔ اس کے رموز و نکات پر عمل کرنے سے قلوب و ارواح میں ایمان کی تروتازگی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور خداوند کریم اور بنی نوع انسان کے تعلقات، تصوف اور معاملات اور اسلامی اخلاق و کردار میں یکجہتی



و مضبوطی آجاتی ہے۔ و آنا صاحب نے اس تصنیف میں تصوف کی اصل تاریخ اور مختلف فرقوں اور گروہوں کے عقائد، اکابر صوفیہ کے حالات، سلوک و طریقت کے مصطلحات، تصوف کے عملی مسائل اور راہ سلوک میں آنے والے حجابات کی تشریح کی ہے۔

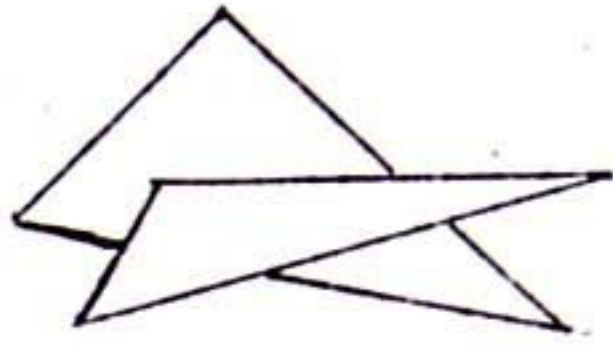
کشف المحجوب میں ایک موضوع کئی کئی جگہ زیر بحث آتا ہے۔ اس سے کہیں کہیں التباس پیدا ہوتا ہے۔ تاہم واقعات کی کڑیاں اس مضبوطی سے ملتی جاتی ہیں کہ نتائج و عواقب واضح ہو کر سامنے آجاتے ہیں۔

کتاب اگرچہ علم تصوف پر لکھی گئی ہے۔ تاہم ہر مسلمان کی مذہبی زندگی اور روحانیات کا کوئی ایسا پہلو نہیں ہے۔ جو تشنہ کام رہا ہو!

کشف المحجوب میں صوفیوں کا ذکر زمانی ترتیب کے لحاظ سے ہے اور ان کو مندرجہ ذیل طبقوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اصحابِ کار و وعالمِ خلفائے راشدین، تابعین، تبع تابعین، ہم عصر، اور ان سے پہلے کے بزرگ و مشائخ، جغرافیائی ترتیب کے لحاظ سے شام، عراق، پارس، کرمان، خراسان، ماوراء النہر اور غزنی کے صوفیوں کا تذکرہ ہے۔ اور صوفیوں کے ان فرقوں کا بھی سیر حاصل بیان ہے، محاسبیہ، قصابیہ، طیفوریہ، جنیدیہ، نوریہ، سہیلیہ، حاکمیہ، خرازیہ، حقیقیہ، سیاریہ



حلولیہ ، — کتاب کی گیارہ فصلوں میں کشف المحجوب کے زیر عنوان —  
 ” معرفت الہی ، توحید ، ایمان ، تزکیہ نفس “ نماز ، زکوٰۃ ، روزہ ، حج ، حقوق  
 العباد ، ضوابط حیات اور سماع وغیرہ قسم کے صوفیوں کے عقائد پر روشنی  
 ڈالی گئی ہے۔ غرض دین و دنیا کے جس پہلو سے بھی اس کتاب کو دیکھا جائے  
 یہ مرشد کامل ہی نظر آتی ہے :





# تعلیماتِ گنج بخش

حضرت وانا گنج بخش نے اپنی بانیہ ناز تصنیف کشف المحجوب کی ابتدا علم کے باب سے کی ہے۔ اس باب میں سب سے پہلے آپ نے قرآن کریم اور احادیث نبوی کی روشنی میں علم کی اہمیت و افادیت واضح کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد ”علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر واجب ہے۔ اور علم حاصل کرو، چاہے تمہیں چین بھی جانا پڑے“ تخریر فرمایا ہے۔ وانا صاحب فرماتے ہیں کہ علم جہالت کے منافی ہے اور علم کا ترک کرنا جہالت ہے اور جہل کی مانند ہے۔ ”پھر فرماتے ہیں کہ ”علم کے ذریعے ایک سالک مراتب اور درجات کے حصول کے قابل ہوتا ہے۔ اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں ہو سکتا جب تک وہ علم پر عمل نہ کرے“

علم و عمل کے بعد وانا صاحب علم کو دو حصوں میں منقسم کرتے ہیں۔ اول علم خداوند تعالیٰ اور دوم علم خلق۔ ان دونوں علموں کی تشریح یوں فرماتے ہیں



کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مخلوق کا علم بالکل بیچ ہے۔ کیونکہ وہ تمام موجودات و معلومات سے آشنا ہے۔ وانا صاحب اس باب میں علم ظاہر کو علم شریعت اور علم باطن کو حقیقت قرار دیتے ہیں۔ پھر شریعت و طریقت کی الگ الگ اقسام گنوائے ہیں۔ جس طرح علم ظاہر کے یہ تین ارکان کتاب، سنت اور اجماع امت بیان کئے ہیں۔ اسی طرح علم حقیقت کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے اول رب تعالیٰ کی ذات بابرکات کا علم کہ وہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ دوم خداوند کریم کی صفات عالیہ کا علم یعنی وہ کائنات کی ہر شے پر قادر ہے۔ اور سوم خداوند تعالیٰ کے افعال کا علم کہ وہ خالق کائنات ہے آخر میں وانا صاحب نے بزرگان دین کے اقوال و دلائل سے یہ نتیجہ اخذ کر کے لکھا ہے کہ جس شخص کو خدا کا علم یعنی علم حقیقت نہیں۔ اس کا دل جہالت کے باعث مردہ ہے۔ اور جو شخص علم شریعت سے نا آشنا ہے۔ اس کا دل نادانی کے موزی مرض میں مبتلا ہے۔

کشف المحجوب کا دوسرا باب فقر کی بحث سے شروع ہوتا ہے اور اس سلسلہ کی تین فصلیں ہیں۔ پہلی فصل میں فقر کی یہ تعریف لکھی گئی ہے کہ جس کے پاس کچھ نہ ہو اور جو کسی چیز کے ہونے سے مالدار اور نہ ہونے سے محتاج نہ کہلاتے۔ آگے چل کر وانا گنج بخش فرماتے ہیں کہ فقر کا مرتبہ خدا کے نزدیک بہت بلند اور افضل ہے اور فقیر کا کمال فقر یہ ہے کہ اگر دونوں جہاں اس کے



فقر کے ترازو میں تو لے جائیں تو وہ پھر کے ایک پر کے بھی مساوی نہیں ہوتے،  
 دوسری فصل میں داتا گنج بخش نے صوفیانہ نقطہ نظر سے فقر و غنا پر بالتفصیل  
 بحث فرمائی ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ بعض صوفیائے کرام کے نزدیک غنا فقر سے  
 افضل ہے اور اس ضمن میں ان کی دلیل یہ ہے کہ غنا خداوند تعالیٰ کی صفت  
 عالیہ ہے لیکن صفات خداوندی میں مماثلت کی کوشش آپس میں مشترک ہونے کی  
 واضح دلیل ہے چونکہ رب تعالیٰ کی صفت قدیم اور خلق کی صفت حادث ہے اسلئے  
 دونوں میں مماثلت ناممکن ہے۔ اس کے علاوہ غنی خدا تعالیٰ کے مجملہ ناموں میں سے  
 ایک ایسا اسم ہے جو صرف رب تعالیٰ کو زیب دیتا ہے۔ لہذا بندہ اس اسم کا جائز مستحق  
 نہیں۔ مزید برآں خلق کے غنا میں حوادث و تغیرات بہ حالت کثرت پائے جاتے ہیں اور  
 خالق کا غنا سب سے بے نیاز ہے۔

تیسری فصل میں حضرت داتا گنج بخش ہجویری نے فقر سے متعلق مشائخ عظام کے  
 اقوال کی تشریح فرمائی ہے۔ مثال کے طور پر حضرت رویم بن محمد کے نزدیک فقر وہ  
 ہے جو نہ ہونے کی صورت میں سکوت اختیار کرے۔ اور ہونے کے وقت بے دریغ  
 راہ اللہ خرچ کرے۔

کشف المحجوب کے تیسرے باب میں حضرت داتا گنج بخش نے تصوف اور صوفی کی  
 اصلیت پر متفقانہ بحث فرمائی ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ ایک جماعت کا نظریہ ہے کہ  
 صوفی صوف کے لباس میں ملبوس رہتا ہے۔ اس لئے صوفی پکارا جاتا ہے۔



دوسری جماعت کا خیال ہے کہ صوفی صنفِ اول میں رہنے والے کو کہتے ہیں تیسری جماعت اصحابِ صنف کے ساتھ دوستی اور محبت رکھنے والے کو صوفی قرار دیتی ہے اور چوتھا گروہ صوفی اسے سمجھتا ہے جو ایک خاص قسم کی وضع قطع بنائے حال و وجد کے علاوہ اور کسی شے سے سروکار نہیں رکھے۔ اور تمام علاقہ و نیوی سے قطع تعلق کر کے گوشہ تہائی میں بیٹھا رہے۔

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری برصغیر پاک و ہند کے وہ پہلے عظیم مفکر ہیں جنہوں نے تصوف اور صوفی دونوں کے متعلق ان غلط فہمیوں کا ازالہ کرتے ہوئے ان دونوں کی صحیح تعریف متعین فرمائی۔ آپ لکھتے ہیں کہ تصوف پسندیدہ اخلاق کا نام ہے۔ تصوف بابِ تفصیل سے ہے جس کا خاصہ تکلف ہے۔ قلب و ذہن اور فکر و عمل کا باطل کے اثرات سے مکمل طور پر رہائی پالینا ہی حقیقت میں تصوف کا اعلیٰ مقام ہے۔ اور رسم و رواج اور تکلفات سے کنارہ کشی اختیار کر کے اللہ تعالیٰ کی بخشش ہوتی لا تعداد نعمتوں سے اس کے غریب انسانوں کی سعی و خد کرنا تصوف کا لازمی جزو ہے۔ تصوف کی تفصیل و تشریح کے بعد داتا صاحب صوفی کی تعریف میں لکھتے ہیں کہ لفظ صوفی صفا سے مشتق ہے اور صفا کی لفظی معنی لغوی طور پر "روشن اور ظاہر" کے ہیں۔ پس صوفی وہ ہے جو اپنے قلب کو ہر قسم کی کدورتوں سے پاک رکھے۔ داتا صاحب مزید فرماتے ہیں کہ کوئی خاص لباس صوفیاء کے لئے ضروری نہیں۔ گڈری پوشی اگرچہ



صوقیاء کی علامت ہے ویسے اصل چیز تقویٰ و پرہیزگاری ہے جو اصل میں عزت و توقیر کی علامت ہے!

کشف المحجوب کے چھٹے باب میں حضرت دانا گنج بخش نے ملامت کے موضوع پر اظہار خیال کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ خلق خدا کی خدمت خدا کے دوستوں کی غذا ہے۔ پھر آپ نے ملامت کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔ اول ایک ایسا شخص جو اپنے معاملات عبادات میں ہی مشغول رہ کر بھی خلق کی ملامت کی مطلقاً پروا نہیں کرتا۔ دوم ایک ایسے شخص کا ملامت کو برداشت کرنا جو جاہ و حشم سے منہ موڑ کر خدا کی جانب مائل ہو اور خلق کی ملامت کو روا رکھتا ہو، اور سوم جو شخص ضلالت اور گمراہی میں گرفتار ہو، اور اسے خلق کی ملامت کے ڈر سے باز آنا محض نفاق اور بیکاری سمجھتا ہو، یہاں تک کہ شریعت سے بھی منہ موڑ بیٹھے۔ آخر میں دانا صاحب فرماتے ہیں کہ ملامت عاشقان خدا و رسول اور بزرگان دین کے لئے ایک تروتازہ باغ، دوستوں کے لئے پایہ ناز تفسیح، مشتاقوں کے لئے راحت جان اور مریدوں کے لئے سرور و نشین ہے۔ سماع کے بارے میں دانا صاحب فرماتے ہیں کہ قوالی میں طنبوے کی تھاپ کے ساتھ رقص و وجد کو — بزم صوقیاء کی جان سمجھا جاتا ہے لیکن سماع کو عادت نہیں بنانا چاہئے۔ اگر کسی کا دل



چاہے تو صرف صوفیانہ اور عارفانہ کلام مٹنے عشق مجازی سے تعلق رکھنے  
 والے اشعار سنانا نا جائز ہے۔ اور عشق مجازی کی حالت میں محفل سماع  
 میں سارا اور سارنگیوں وغیرہ کا بجانا اور اس پر وجد کرنا بھی جائز نہیں۔  
 یہ ہے حانا صاحب کی تعلیمات کا خلاصہ — حقیقت میں تعلیمات  
 کے یہ پہلو ہمارے لئے روشنی کا مینار ہیں اور قابل تقلید ان پر عمل پیرا  
 ہو کر ایک انسان اپنی عاقبت سنوار سکتا ہے۔

حانا صاحب کی تعلیمات اس جدید روشنی  
 کی جہالت میں صراطِ مستقیم سے بھٹکے ہوئے  
 لوگوں کی رہنمائی کر سکتی ہے!





## واقعات و حکایات

حضرت دانا گنج بخش نے اپنی نادر اور مستند تصنیف کشف المحجوب میں متعدد دلچسپ مگر سبق آموز اور قابل قدر حکایات اور واقعات بیان فرمائے ہیں۔ یہ سب حکایتیں اور واقعات ہماری زندگی کے لئے مشعل راہ کا کام دے سکتے ہیں۔ مثلاً نماز کے متعلق ایک واقعہ دانا صاحب سناتے ہیں کہ عبد اللہ بن مبارک نے جو ایک مشہور اور خدا رسیدہ بزرگ ہیں، فرمایا کہ میں نے بچپن میں ایک منقہ اور زاہدہ خاتون کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ نماز کے دوران میں ایک بچھو نے چالیس مرتبہ اس نیک بی بی کو کاٹا۔ مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئیں۔ وہ جب نماز سے فارغ ہوئیں تو استفسار پر گویا ہوئیں کہ کیسے ہو سکتا تھا کہ میں خدا تعالیٰ کے کام میں اپنے کام کو روا رکھتی۔ بچھو اپنی دھن میں لگن رہا اور میں رب تعالیٰ کی عبادت کے لئے سجدہ میں جھکی رہی۔



اسی طرح کا ایک اور واقعہ بھی دانا صاحب نے بیان فرمایا ہے۔ یہ ابو الخیر  
 قطع نامی بزرگ سے متعلق ہے۔ محترم بزرگ بہاؤ تھے۔ حکماء نے مشورہ دیا کہ  
 پاؤں تن سے جدا کر دیا جائے۔ مگر ابو الخیر رضامند نہ ہوئے۔ بالآخر مریدوں نے  
 ان کی جان بچانے کے لئے پاؤں کو اس وقت کاٹ دیا، جب آپ نماز میں  
 ہم تن مصروف تھے۔ اس دوران میں ابو الخیر کو قطعاً محسوس تک نہ ہوا۔ ان  
 واقعات کو دہرانے سے دانا صاحب کا یہ مطلب ہے کہ اللہ کی عبادت کے  
 دوران نیک و پرہیزگار لوگوں کو دنیا کی خبر نہیں ہوتی۔

دانا گنج بخشؒ کی یہ حکایت بھی بڑی معنی خیز اور بصیرت افروز ہے کہ  
 ایک بادشاہ کی فقیر سے ملاقات ہوئی۔ بادشاہ نے فقیر سے اپنی ضروریات طلب  
 کرنے کو کہا۔ فقیر نے جواب دیا کہ وہ اپنے غلاموں سے کوئی شے مانگنا اپنی  
 توہین سمجھتا ہے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ یہ کیسے ممکن ہے؟ فقیر گویا ہوا کہ میرے  
 دو غلام ہیں جو تیرے بادشاہ ہیں۔ یعنی حرم اور امید۔ تو ان دونوں کا غلام  
 ہے۔ پھر تو مجھے کیا دے سکتا ہے۔

آئمہ اہل بیت میں سے حضرت امام باقرؑ ارفع و اعلیٰ مقام رکھتے ہیں حضرت  
 علیؑ، سجویؑ نے ان کا ایک واقعہ بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ جب خلیفہ وقت  
 نے آپ کو قتل کرنے کے ارادے سے بلایا۔ مگر اس اقدام کے بجائے انھیں نہایت  
 عزت و تکریم سے رخصت کیا۔ لوگوں نے خلیفہ سے فیصلہ کی اس تبدیلی کے بارے



میں پوچھا تو وہ کہنے لگا کہ جب امام باقرؑ میرے قریب آئے، تو مجھے نظر آیا کہ وہ شیرانکے دائیں بائیں کھڑے ہیں جو مجھ سے مخاطب ہیں کہ اگر میں نے امام صاحب کو قتل کر دیا تو وہ مجھے بھی جان سے مار ڈالیں گے۔ اس واقعہ کرامت سے حضرت داتا صاحب نے امام باقرؑ کی عظمت بیان کی ہے۔

’ایشوار‘ کی ایک حکایت داتا گنج بخشؒ یوں سناتے ہیں کہ دس فقیر کسی جنگل میں گئے۔ انھیں پیاس لگی۔ ان کے پاس پانی کا صرف ایک پیالہ تھا، جسے وہ ایک دوسرے پر ایشوار کر رہے تھے۔ ایک کہتے تم پیو، دوسرے کہتے تم پیو۔ علیٰ نذالقیاس اس تکرار میں اتنی دیر ہو گئی کہ نو فقیر پیاس کی شدت کی تاب نہ لاسکے۔ اور عالم جاودانی کو سدھا گئے، دسواں سچ گیا۔ جس نے پانی پی لیا۔ ایک اور شخص نے اس سے کہا کہ تو بھی پانی نہ پتیا، تو یہ تیرا ایشوار ہوتا۔ اس فقیر نے جواب دیا کہ میں شریعت کے مطابق اتنا جانتا ہوں کہ اگر میں بھی پانی کا وہ پیالہ نہ پتیا تو قابلِ مواخذہ تھا اسلئے کہ پہلے تو نو ایشوار میں فوت ہو گئے اور آخر میں شرع کے مطابق مجھ پر واجب تھا کہ پانی پی کر اپنی جان بچا لیتا۔

حضرت خواجہ حسن بصریؒ اپنے وقت کے امام اور اہل اللہ ہو گئے ہیں حضرت داتا گنج بخشؒ ان کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ ایک درویش تھا جو جنگل میں رہتا تھا۔ ایک وز میں نے بازار سے کھانا خریدا اور اس کے پاس لے گیا۔ درویش نے پوچھا کہ کس لئے لاتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ آپ جنگل میں



رہتے ہیں اس لئے اس کی ضرورت محسوس ہوئی۔" ورویش نے جواب  
سن کر پاس پڑھی ہوئی مٹی کو ہاتھ لگایا، تو وہ سونا بن گئی۔

حضرت داتا صاحب ایک روز حضرت شیخ ابوسعیدؒ کے مزار پر تشریف  
فرماتے، فرماتے ہیں کہ میں نے ایک سفید رنگ کا کبوتر دیکھا جو مزار کے  
غلاف میں گھس گیا۔ میں نے اٹھ کر غلاف میں ہاتھ بڑھایا مگر کبوتر نڈا رہا  
جیران تھا یہ ماجرا کیا ہے کہ رات کو حضرت شیخ ابوسعیدؒ خواب میں آئے  
اور فرمایا کہ کبوتر میرے معاملات کی صفائی کی دلیل ہے کہ وہ روزانہ میری  
قبر میں میری ہم نشینی کے لئے آتا ہے۔

داتا گنج بخش علی ہجویریؒ — ایک اور واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک  
مرتبہ اپنے مرشد کے ہمراہ آذربائیجان کے علاقے سے گزر رہا تھا کہ راستے  
میں دو تین گڈڑی پوش نظر پڑے جو گھوڑوں کے کھلیان کے پاس اپنی  
گڈڑیوں کے واہن پھیلاتے کھڑے تھے تاکہ زمیندار انھیں کچھ خیرات  
دے۔ میرے پیرو مرشد نے ان کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ  
وہ لوگ ہیں جو ہدایت اور راستی کے بدلے میں ضلالت اور گمراہی خریدتے  
ہیں۔ یہ نقصان دہ کاروبار ہے۔ ایسے لوگ کبھی راہ ہدایت نہیں پاسکتے۔

حضرت مخدوم علی ہجویریؒ لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن جعفر نے ایک  
حدیثی غلام کو دیکھا جو بکریوں کا نگہبان تھا۔ ایک روز کتا اس کے سامنے



بیٹھا تھا۔ اس غلام نے تھیلے میں سے ایک ایک کر کے تین روٹیاں نکالیں اور کتنے کو کھلا دیں۔ عبداللہ نے یہ ماہر اور کچھ کر استفسار کیا کہ اے غلام تیری روزانہ خوراک کیا ہے؟ غلام کا جواب تھا: ”تین روٹیاں جو آپ نے کچھ لپے ہیں۔“ آپ نے پھر پوچھا کہ تم نے یہ ساری روٹیاں اس کے آگے کیوں ڈال دیں؟ غلام نے کہا کہ میں نے سوچا کہ یہ کتنا نہ جانے کہاں سے مارا مارا پھر کر آ رہا ہے۔ کہیں بھوکا نہ ہے۔ اس لئے تینوں روٹیاں اُسے ڈال دیں۔“ یہ جواب سن کر عبداللہ بہت خوش ہوئے اور اس غلام کو اس کے مالک سے بھیڑ بکریاں لے کر خیرات کر دیں اور خود عبادت کے لئے جنگلوں کی طرف نکل گیا۔

بظاہر یہ چند حکایات اور واقعات ہیں۔ لیکن حقیقت کی نظروں سے دیکھا جائے تو دانا صاحب نے ایک ایک واقعہ میں اسلامی حکمت عملی اور ضابطہ حیات کی مکمل ترجمانی کی ہے۔ ان واقعات و حکایات سے اسلامی زندگی کی ایک واضح تصویر ابھر کر نکاہوں کے سامنے آتی ہے۔ ان واقعات کی تقلید ہماری لئے تو شہ آئینت ثابت ہو سکتی ہے۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ



# اسلامی آداب

اسلام ایک مکمل ضابطہء حیات ہے اور اس کے اصولوں کی روشنی میں ایک انسان صحیح معنوں میں مسلمان اس صورت میں کہلا سکتا ہے کہ وہ اسلام کے بتائے ہوئے قوانین پر عمل پیرا ہو۔ حضور نبی کریمؐ کی ذات اقدس بھی اسلام ہی کے مشعل راہ اصولوں کا نمونہ تھی۔ اور حضرت داتا گنج بخشؒ نے اپنی ساری زندگی اسلام کے اصولوں یعنی ارشادات خداوندی اور فرمودات رسول مقبولؐ پر یقین و ایمان رکھتے اور ان پر عمل کرتے ہوئے گزاری۔ کھانا پینا، سفر کرنا، سونا، بات چیت کرنا، غرض زندگی کے مختلف امور کے متعلق داتا گنج بخش کی زندگی اور ارشادات قابل مطالعہ ہی نہیں، قابل عمل بھی ہیں۔ اور ان پر عمل کرنے سے انسانی زندگی، اسلامی سانچے میں ڈھل سکتی ہے۔

ہر مسلمان اس امر پر ایمان رکھتا ہے کہ قرآن حکیم اللہ تعالیٰ جل شانہ کی مقدس کتاب ہے جو ہدایت کی راہ دکھاتی ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کے معجزوں میں سے ایک یہ ہے کہ اسے سننے سے طبیعت لول نہیں



ہوتی، کیونکہ قرآن حکیم درود اور رقت آمیز الفاظ سے معموس ہے۔ "قرآن کریم کی عظمت اور اس کے عظیم ہونے کا اعتراف مسلمان تو کجا، غیر مسلم بھی کرتے تھے۔ چنانچہ وانا صاحب کہتے ہیں کہ کفار قریش رات کے وقت چھپ چھپ کرتے تھے اور جس وقت سرکارِ دو عالم نبی مکرم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت فرماتا ہوتے، اُسے خاموشی سے سنا کرتے تھے۔ پھر وانا گنج بخش علی جویری رحمہ نے ذیل کے حوالے سے قرآن حکیم کی بصیرت افروزی کو مزید اجاگر کیا ہے لکھتے ہیں کہ — نصر بن الحارث عرب میں بہت بڑا فصیح مانا جاتا تھا۔ عتبہ بن ربیعہ بھی عرب میں گفتگو کے لحاظ سے جادوگر سمجھا جاتا تھا۔ ابو جہل بن ہشام بھی بہترین مقرر تھا، لیکن یہ سب لوگ قرآن شریف سنا کرتے تھے اور اس کی عظمت کے قائل تھے — ایک رات رسول مقبول تلاوت فرما رہے تھے۔ تنہائی کی وح پر در فضا میں سرکارِ کوئین کا لحن داؤدی — اللہ اللہ — عتبہ سن کر مدہوش ہو گیا۔ اور ابو جہل سے کہنے لگا۔ "مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ انسانوں کا کلام نہیں!"

وانا گنج بخش نے قرآن کریم کے پڑھنے کے آداب بتانے کے ساتھ ساتھ وہ واقعہ بھی بیان کیا ہے جب حضرت عمر کا دانا داور بہن مشرف بہ اسلام ہو گئے حضرت عمر نے انھیں قتل کرنے کے ارادہ سے تلوارِ حائل کی جب آپ بہن کے



گھر پہنچے، تو اندر سے قرآن کریم کی تلاوت سن کر دروازہ کے باہر ہی کھڑے ہو گئے۔ دل پر کلام خداوندی نے اس قدر اثر کیا کہ رونا شروع کر دیا۔ پھر بہن کے پاس آئے۔ بہن نے پہلے وضو کرنے کو کہا، اور پھر تلاوت شروع کی۔ یہ قرآن کریم کی تلاوت کا اثر ہی تھا کہ بعد کو فوراً مسلمان ہو گئے۔

اس اسلامی واقعہ کے علاوہ داتا صاحب نے حضرت عبداللہ بن حنظلہؓ اور حضرت شبلیؓ کے واقعات بھی دہرائے ہیں۔ مزید برآں ذرا بن اہدافؓ ایسے صحابی کا بھی ذکر کیا ہے کہ قرآن کی ایک آیت پر ہی غش کھا کر گرے اور جان جان آفرین کے پیرو کر دی۔ حضرت صالح مری، حضرت ابراہیم نخعی نے بھی قرآن کریم ٹھہنے کے دوران میں ہی وصال فرمایا۔ داتا صاحب کہتے ہیں کہ

”قرآن کریم کا تعلق براہ راست دل سے ہونا چاہیے کہ انسان کو ایسے محسوس ہو جیسے اپنے پیارے خدایا سے ہم کلام ہے۔“

اچھی اور شیریں آواز بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت سے کم نہیں۔ حضرت داتا گنج بخش لکھتے ہیں کہ اللہ کا ارشاد ہے کہ اللہ جس چیز پر چاہتا ہے فراوانی دیتا ہے۔ مفسرین اس ارشاد کے متعلق کہتے ہیں کہ اس سے مراد شیریں آواز ہے۔ اس طرح حضور کا ارشاد ہے کہ اپنی آواز کو زینت دو۔ آنحضرتؐ کا ایک اور ارشاد ہے کہ جو شخص حضرت اود علیہ السلام کی آواز سنا چاہے



اسے چاہئے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی آواز سنئے۔ دانا صاحب یہ بھی لکھتے ہیں کہ جنت میں اہل جنت کو بھی سماع نصیب ہوگا یعنی ہر شجر سے شہریں اور مختلف قسم کی پیاری پیاری آوازیں آئیں گی۔ مزید برآں عوفیاء کا قول ہے کہ شہریاں اور پیاری آوازوں کی ترکیب سے تمام جاندار خوشی محسوس کرتے ہیں۔

حضرت دانا گنج بخش کے نزدیک شعر سننا جائز ہے کیونکہ رسول خدا سے روایت ہے کہ شعر حکمت ہے۔ حکمت مومن کی گمشدہ شے ہے جو اس کے لئے محبوب ہو، اسی نے پالیا۔ حضرت دانا صاحب شعر کی تعریف میں فرماتے ہیں کہ شعر سے مراد ایسا شعر ہے، جو حکمت ہو، پھر حضور کا ارشاد بیان کرنے ہیں کہ ایسے اشعار سننا حرام ہیں، جن میں جھوٹ، فحاشی، دوسروں کی برائی اور کفر کے کلمات کہے گئے ہوں۔ ہاں البتہ ایسے اشعار سننا مستحسن ہیں۔ جن میں حکمت، پسند و نصائح، آیات الہی اور شہادت رب کریم بیان کئے گئے ہوں۔

حضرت دانا گنج بخش فرماتے ہیں کہ خاموشی میں بہت سے فائدے اور آسائشیں ہیں۔ اور بولنے میں خرابی مضمحل ہے۔ بعض بزرگ بولنے کی بہ نسبت خاموشی کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور اسے افضل سمجھتے ہیں۔ حضرت جنیدؒ کا ارشاد ہے: "جس نے خدا کو پہچان لیا، اس کی زبان گنگ ہو جاتی ہے۔ حضرت دانا گنج بخش کہتے ہیں کہ خاموشی اور کلام کی بھی



الگ الگ دو اقسام ہیں۔ ایک کلام تو حقیق ہوتا ہے۔ اور دوسرا باطل  
ایک خاموشی مقصود حاصل کرنے کے لئے ہوتی ہے اور دوسری غفلت کی وجہ  
سے اس لئے بولنے اور خاموش رہنے کے معاملے میں انسان کو عقل سے  
کام لینا چاہئے۔ آنحضرت کا فرمان ہے کہ میں نے خاموشی اختیار کی۔  
وہ نجات پا گیا۔

چلنے پھرنے کے آداب کا ذکر کرتے ہوئے وانا صاحب نصیحت  
فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے عاشق کو زیب نہیں دیتا کہ وہ اکڑ اکڑ کر چلے  
لہذا انسان کو چاہئے کہ وہ ہر قدم اٹھانے سے قبل یہ سوچ لے کہ خواہش  
نفسانی اس کی ہمقدم تو نہیں؟ پھر وانا صاحب اللہ کا یہ ارشاد بندے کو  
یاد دلاتے ہیں کہ جب تو زمین پر چلے تو عاجزی اور انکساری کا دامن نہ چھو  
پائے حضرت وانا صاحب یہ بھی فرماتے کہ جب کوئی کسی جماعت یا کسی دوسرے  
شخص کے ساتھ جا رہا ہو تو اسے راستے میں نہیں کھنا چاہئے تاکہ دوسرے  
کو انتظار کی زحمت نہ اٹھانا پڑے۔ تیز رفتاری اہل حرص کی علامت ہے  
اور ایسی چال بھی گناہ جس سے تکبر و نخوت کا اظہار ہو۔

حضرت وانا گنج بخش سوال کے آداب بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم  
کا ارشاد ہے "سوال کرنے والے کو نہ جھڑکا جائے اور سوال کرنے والے  
کو بھی چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے سوال نہ کرے حضرت ابو بصیر



سے ایک بار کسی امیر شخص نے کہا کہ اپنی حاجت بیان کر۔ آپ نے فرمایا کہ اے شخص مجھے تو اس بات سے بھی ندامت آتی ہے کہ میں دنیا کے پروردگار سے سوال کروں۔“

کھانے پینے کے آداب بھی بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ حضرت داتا گنج بخش کے نزدیک انسان کے لئے کھانا ایک لاپرواہی بات ہے۔ کیونکہ کھانے پینے کے بغیر انسان جسمانی اعتبار سے قائم نہیں رہ سکتا۔ حضرت داتا گنج بخش فرماتے ہیں کہ کھانے کے معاملے میں بھی اس حد تک تجاوز نہیں کرنا چاہئے کہ دن رات کھانے پینے کی فکر میں کسی اور کام کا ہوش نہ رہے۔ حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ جس شخص کی زندگی کا مقصد صرف کھانا ہو، اس کا حاصل وہی ہے جو اس کے پیٹ سے باہر آتا ہے۔

حضرت بایزید بسطامی سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ بھوک کی بہت تعریف کرتے ہیں۔ حضرت بسطامی نے جواب دیا۔ اس لئے کہ اگر فرعون بھوکا ہوتا تو ہرگز یہ دعویٰ نہ کرتا کہ میں تمہارا رب ہوں۔

حضرت داتا گنج بخش آخر میں لکھتے ہیں کہ دسترخوان پر بیٹھنے کے وقت بھی خدا کا نام لینا چاہئے۔ کھانے کو لٹا پلٹنا نہیں چاہئے۔ پہلے نمکین لقمہ لینا چاہئے۔ لازم ہے کہ اپنے لقمے کے سوا دوسرے کے لقمے کی طرف نظر نہ



صالح اُجھارے کے دوران پانی کم پینا، اور پھر اُٹھ کر اُٹھ کر  
 آستہ چبانا چاہئے۔ کھانے سے فراغت پانے کے بعد بھی اللہ کا  
 اور کرنے میں کبھی بھول نہیں ہونی چاہئے۔ مزید برآں وانا صاحب یہ بھی  
 کہتے ہیں کہ درویش کی دعوت کو کبھی رو نہ کیا جائے اور دنیا دار کی دعوت  
 کو قبول کرنے سے احتراز کرنا چاہئے۔

یہ ہیں وہ اسلامی آداب۔ جن پر وانا صاحب تازیت عمل کرتے  
 رہے۔ انہوں نے اپنی زندگی، سرکار و دو عالم کے بتائے ہوئے ارشادات  
 پر یقین افرود عمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے بسر کی۔ ان کی عملی زندگی سے  
 کوئی ایسا پہلو نہیں ملتا، جس سے اس اعتماد کو ٹھیس پہنچے کہ وانا صاحب  
 نے اسلامی آداب اپنانے کے سلسلہ میں بے عملی کا مظاہرہ کیا ہو۔

حالات صاحب کی ساری زندگی میں قول و عمل میں مطابقت رہی۔  
 حضرت وانا گنج بخش نے عمل سے اپنی زندگی کو جنت بتایا۔ اس کا  
 واضح ثبوت آپ کا فیض عالم ہی تو ہے جو آج بھی جاری ہے۔



جن کتابوں سے استفادہ کیا گیا:

- (۱) سفینۃ الاولیاء (۲) حدیقۃ الاولیاء (۳) خزینۃ الاصفیاء (۴) تحفۃ الراصلین۔
- (۵) کشف المحجوب (۶) کشف الاسرار (۷) ماثر لاہور (۸) آفتاب سجود (۹) سوانح حضرت وانا صاحب
- (۱۰) مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور) (۱۰) کتابچہ تعلیمات گنج بخش زبان فارسی مصنف شیخ عبدالرشید (ایران)



میاں کمال



چند سال ادھر کی بات ہے کہ ادب و صحافت کے آفق پر ایک ننھی سی کرن جھلملائی تھی۔ اور کسی نے بھی اس کی طرف توجہ نہیں کی تھی۔ بھلا ننھی کرنوں کی طرف کون دیکھتا ہے۔ مگر وہی ننھی کرن آج ایک تابناک اور درخشندہ ستارہ بن کر جگمگا رہی ہے اور ہر شخص اس کی طرف توجہ کر رہا ہے۔ روشن ستارے خود بخود دوسروں کی توجہ اپنی طرف منعطف کر لیتے ہیں۔ کیا مجھے یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ یہ تابناک اور درخشندہ ستارہ ایم۔ ایس۔ ناز ہے۔

اگر میں ایم۔ ایس۔ ناز کی شخصیت کو صرف ایک لفظ سے واضح کرنا چاہوں، تو کہہ سکتا ہوں کہ پیار نے ناز کی مادی صورت اختیار کر لی ہے۔ ناز سر سے پاؤں تک پیار ہے۔ اسے اپنی چھوٹی سی زندگی میں پیار کا وافر حصہ مل گیا ہے۔ اسے لاہور کی پرانی عمارتوں سے پیار ہے۔ نئے پرانے لاہور کا ایک ایک گوشہ اس کی یادوں کی وسیع دنیا میں آباد ہے۔ اسے آن لوگوں سے پیار ہے جو اس کی زندگی میں آئے ہیں اور پھر اس 'وادی' خموشاں میں چلے گئے ہیں، جو ہر شخص کی آخری منزل ہے۔ اسے اپنے عہد کے بزرگوں، جوانوں اور نوجوانوں سے پیار ہے۔ اور آج وہ ایسی ہستی کی سوانح حیات پیش کر رہا ہے۔ جو اللہ کا بہت پیارا بندہ تھا اور جس کی ذات گرامی آج تک پیار کا سرچشمہ بنی ہوئی ہے۔

حضرت داتا گنج بخش رح کے حالات زندگی بہت کم اور منتشر حالت میں ملتے ہیں۔ ناز نے بڑی کوشش، جدوجہد اور تحقیق کے بعد یہ حالات جمع کر کے ایک کتاب میں محفوظ کر دیئے ہیں۔ حقیقتاً یہ ایک پیارے آدمی کا بہت پیارا کام ہے۔

میرزا ادیب



چند سال ادھر کی بات ہے کہ ادب و صحافت کے آفق پر ایک ننھی سی کرن جھلملائی تھی۔ اور کسی نے بھی اس کی طرف توجہ نہیں کی تھی۔ بھلا ننھی کرنوں کی طرف کون دیکھتا ہے۔ مگر وہی ننھی کرن آج ایک تابناک اور درخشندہ ستارہ بن کر جگمگا رہی ہے اور ہر شخص اس کی طرف توجہ کر رہا ہے۔ روشن ستارے خود بخود دوسروں کی توجہ اپنی طرف منعطف کر لیتے ہیں۔ کیا مجھے یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ یہ تابناک اور درخشندہ ستارہ ایم۔ ایس۔ ناز ہے۔

اگر میں ایم۔ ایس۔ ناز کی شخصیت کو صرف ایک لفظ سے واضح کرنا چاہوں، تو کہہ سکتا ہوں کہ پیار نے ناز کی مادی صورت اختیار کر لی ہے۔ ناز سر سے پاؤں تک پیار ہے۔ آسے اپنی چھوٹی سی زندگی میں پیار کا وافر حصہ مل گیا ہے۔ آسے لاہور کی پرانی عمارتوں سے پیار ہے۔ نئے پرانے لاہور کا ایک ایک گوشہ اس کی یادوں کی وسیع دنیا میں آباد ہے۔ آسے آن لوگوں سے پیار ہے جو اس کی زندگی میں آئے ہیں اور پھر اس 'وادی' خموشاں میں چلے گئے ہیں، جو ہر شخص کی آخری منزل ہے۔ آسے اپنے عہد کے بزرگوں، جوانوں اور نوجوانوں سے پیار ہے۔ اور آج وہ ایسی ہستی کی سوانح حیات پیش کر رہا ہے۔ جو اللہ کا بہت پیارا بندہ تھا اور جس کی ذات گرامی آج تک پیار کا سرچشمہ بنی ہوئی ہے۔

حضرت داتا گنج بخش رح کے حالات زندگی بہت کم اور منتشر حالت میں ملتے ہیں۔ ناز نے بڑی کوشش، جدوجہد اور تحقیق کے بعد یہ حالات جمع کر کے ایک کتاب میں محفوظ کر دیئے ہیں۔ حقیقتاً یہ ایک پیارے آدمی کا بہت پیارا کام ہے۔

میرزا ادیب